# دیوانِ بیاںؔ

ضرب المثل رہے گا محبت میں میرا نام
آئیں گے میرے بعد فقط نوحہ خوانِ عشق

(حافظ محمد ولایت اللہ)

*****************************************

# ا

### ۱

کیا کیجے بیاں اس کے وجوب اور قدم کا | طاقت نہ زباں کی ہے، نہ مقدور قلم کا
آدابِ رہِ نعتِ پیمبر نہ ادا ہوں | لوں خامہ صفت سر سے اگر کام قدم کا
کیا مدح کروں آل اور اصحاب کی اس کے | یہ مرتبہ کب ہے مری تحریر و رقم کا
بندے سے ثنا حضرتِ استاد کی کب ہو! | مظہر ہے خداوند کی وہ شانِ اتم کا

سنتا ہے بیاں! عذر ترے سب ہیں یہ مسموع
کیا مدح کرے جس کو سلیقہ نہیں ذم کا؟

### ۲

گزر وہ پنجۂ خورشید اگر ایدھر کبھو کرتا | تری بھی جیب کو، ناصح! کوئی ناصح رفو کرتا
مجالِ حرف وہ آئینہ رو مجھ کو اگر دیتا | تو رہتیں طوطیاں خاموش، ایسی گفتگو کرتا
بہانا دل نے شورش کا بنایا اس کی محفل میں | جو ٹک مے کی مدد ہوتی قیامت ہائے و ہو کرتا
قیامت تک طہارت میں شکست آتی نہ اے زاہد! | اگر چشموں کے اس آبِ رواں سے تو وضو کرتا
اگر پیرِ مغاں کے ہاتھ لگتی خاک مستوں کی | تو از بس قدرداں تھا، خُم بناتا یا سبو کرتا

جفا اک لمحہ جو کرتا نہیں ہے وہ تو مرتا ہوں
ستم ہوتا اگر الطاف سے میں اس کے خو کرتا

بیاںؔ محفل بہ محفل ڈھونڈتا تھا جس کو کاش! اس کی
میں اپنے دل کی خلوت گاہ ہی میں جستجو کرتا

۳

بس عیادت کو اس کا آنا تھا
گویا آزاریاں بہانا تھا

پر جلے آگے تیرے اُڑتے ہوئے
عرش پر جس کا آشیانا تھا

میں نے جس دن کہ دل دیا تجھ کو
آہ ظالم! تجھے نہ جانا تھا

کبھو میری زباں پہ تھا مجنوں
ق
کبھو فرہاد کا فسانا تھا

نام اوروں کا لے کے، در پردہ
حال اپنا اسے سنانا تھا

آج اک حرفِ آرزو مجھ سے
بعد مدت کے اُن نے مانا تھا

آفت آ دے اِن آشناؤں پر
کیا اسی وقت اِن کو آنا تھا!

در تو کھولا نہ پاسبان نے رات
سر تھا اور اُس کا آستانا تھا

اب نباہے ہی شرمِ عشق بنے
یا زباں پر بیاںؔ نہ لانا تھا

۴

بیاںؔ تیرے کوچے سے چلتا رہے گا
مری جان! تو ہاتھ ملتا رہے گا

نہیں اشک آنکھوں میں تھمتا، کہاں تک
یہ لڑکا پنگھوڑے میں پلتا رہے گا

ہمارا ہے سینہ کہ آتش کدہ ہے!
الٰہی کہاں تک یہ جلتا رہے گا

یہ ہے چشم یا کوئی زایندہ چشمہ
کہ دریا جہاں سے اُبلتا رہے گا

گریں گے نہ کیونکر ان آنکھوں سے موتی
یہی دُر اگر تو اُگلتا رہے گا

بیاںؔ کیا کہوں ترکِ نازی میں اس کی
ق
ادھر جب تلک تو سنبھلتا رہے گا

کہ نیزے سے آ کر نگہ کے وہ قاتل
ادھر دل پرولے کے چلتا رہے گا

۵

میں ہی بلاکشی سے نہ مجبور ہو گیا — وہ بھی جفا کے کرنے میں معذور ہو گیا

کیا محتسب نے میکدہ ویراں کیا ہے آج؟ — میری بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا

مستی کو چھوڑ جن نے کیا زہد اختیار — گویا وہ مے کے قطرے سے انگور ہو گیا

نکلا ہے عجز مجھ سے، مرے یار سے غرور — اب ملکِ عشق و حسن میں دستور ہو گیا

دیکھا، نہ لی خبر مرے مرہم گزار نے — آخر یہ زخم سینے کا ناسور ہو گیا

سایے سے بھی زیادہ کبھو مجھ سے پاس تھا — اب آفتاب سے بھی بہت دور ہو گیا

سرمہ سیاہ بخت پسا مفت میں بیاںؔ
کاجل بتوں کی آنکھوں میں منظور ہو گیا

۶

سینے میں دل فگار کیا ہم نے، کیا کیا — صیدِ حرم شکار کیا ہم نے، کیا کیا

ہر چند تھا یقین کہ آنے کا وہ نہیں — اس پر بھی انتظار کیا ہم نے، کیا کیا

آئے تھے اس جہان میں جس کام کے لیے — سو وہ نہ ایک بار کیا ہم نے، کیا کیا

ہو ایک بھی سلوک اُدھر سے تو ہے بہت — ایدھر اگر ہزار کیا ہم نے، کیا کیا

اظہارِ عشق کر کے ہم اپنے تئیں کو آپ — آنکھوں میں اس کی خوار کیا ہم نے، کیا کیا

وہ منھ کو دیکھ اور بھی مغرور ہو گیا — کیوں آئنہ دوچار کیا ہم نے، کیا کیا

ذلت سوائے فائدہ دیکھا نہ کچھ بیاںؔ
کیوں عشق اختیار کیا ہم نے کیا کیا

۷

عالم کو لعل و گوہر و تاج و لوا دیا — اے آسماں! بتا تو مجھے تو نے کیا دیا

ایسے ہی بخت میرے جو ماتے تھے نیند کے — خوابِ عدم سے کاہکو مجھ کو جگا دیا

پیری کا جیب چاک ہوا، اے کاش! شمعِ صبح — ان نے مرے چراغ کو دل کے بجھا دیا

آتا تھا کچھ ہمیں بھی کبھو شعر یا سخن — اب تو کسو کی یاد نے سب کچھ بھلا دیا

اس کا ادائے شکر بیاں کیونکر کرسکے

جن نے اٹھا کے خاک سے انساں بنا دیا

## ۸

وہ بھی کیا دن تھے کہ ہم آغوش ہم سے یار تھا! — در کے باہر مدعی جوں صورتِ دیوار تھا

میں ترے قرباں ہوں، اے قاتل! اپنا احساں کیا — ایک مدت سے مرا سر دوشِ تن پر بار تھا

اس تجاہل پر میں اس کے ریجھتا ہوں، حشر تک — وہ کہ جس کی چشم کا بھر عمر میں بیمار تھا

میری بیماری سے بھی گویا خبر اس کو نہ تھی — پوچھتا ہے آج تک لوگوں سے "کیا آزار تھا؟"

میرے گل رو کی فقط بلبل ہی کچھ شیدا نہیں — دیکھتے ہی گل بھی اس کا منھ، گلے کا ہار تھا

عشق نے ذلت پہ دیوانہ سا دل کو کر دیا — یہ عزیز بے تمیز آگے نہ اتنا خوار تھا

ہو گیا تو اس قدر مجبورِ الفت میں بیاں!

ایک دن وہ تھا کہ اپنے دل پہ تو مختار تھا

## ۹

کوئی کسی کا کہیں آشنا نہیں دیکھا — سوائے اس کے ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا؟

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق سے مجھ کو — انھوں نے یار کو دیکھا ہے یا نہیں دیکھا؟

بھلائی کیا دلِ کافر نے بت میں پائی ہے؟ — جہاں میں کوئی میں اتنا برا نہیں دیکھا

کچھ اس جہاں میں نہ دیکھیں گے کیونکہ اندھے ہیں — اسی جہاں میں جنھوں نے خدا نہیں دیکھا

بہ رنگِ سایہ و خورشید، اے بیاں میں نے

کبھو رقیب سے اس کو جدا نہیں دیکھا

۱۰

کب تلک اس کی شکایت ہو نہ لب سے آشنا
ایک بیگانہ ہے مجھ سے اور سب سے آشنا

سبزۂ بیگانہ آنکھوں میں نظر آتا ہے گُل
اُس بہارِ باغِ خوبی کا ہوں جب سے آشنا

دن کو بھی رہتا ہے مجھ کو اب تصوّر رات کا
بس کہ ہیں یہ دیدۂ بیدار شب سے آشنا

غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو یکبارگی
دیکھ تو، اے شوخ! میں تیرا ہوں کب سے آشنا

کیوں لگا دیتا ہے سرگوشی میں اس کے مُنہ سے مُنہ
اے بیاںؔ! ہوگا کبھو بھی تو ادب سے آشنا؟

۱۱

یہ گریہ آستیں میں کب، ہم نشیں! سماتا
دامانِ دشت میں بھی جواب نہیں سماتا

وحشت سے مجھ پہ عرصہ ہے تنگ، ورنہ میں بھی
تھے اتنے کوہ و صحرا، آخر کہیں سماتا

آسودگی یقینی گر بعدِ مرگ ہوتی
میں جیتے جی ہی اپنے زیرِ زمیں سماتا

تشبیہ جب سے دی ہے تیرے بدن سے میں نے
گل، پیرہن میں اپنے پھولا نہیں سماتا

شکوے کو تیرے جاگہ دل میں کہاں بیاںؔ کے؟
اک جا کہیں سنا ہے مہر اور کیں سماتا؟

۱۲

میں تو آنکھوں کو بھی رونا تھا کہ راز افشا کیا
اس دلِ نالاں نے لیکن تو ہر ہی غوغا کیا

نقدِ دل اپنے کو دے کر لی اذیّت عشق نے
ہائے دیوانے! یہ کیا سودا ہے تو نے کیا کیا؟

اک جگہ سی تھی جو اس کوچے میں جاگہ تھی ہمیں
جن نے بے جا کر دیا واں سے بہت، بے جا کیا

کل تو جوں توں صبح کی امید پر کاٹی تھی رات
آج پھر اس حیلہ جو نے وعدۂ فردا کیا

کیا چلے تھے رازِ دل کہنے کو لوگوں میں بیاںؔ
آپ بھی مطعون ہوئے اور اس کو بھی رسوا کیا

## ۱۳

اُن نے اک حرفِ مہر سر نہ کیا
عجز نے میرے کچھ اثر نہ کیا

آئے اب نعش پر مری تو کیا
حیف تک قصد پیشتر نہ کیا

دے گیا جب سے یار پیٹھ اسے
دل نے پھر مُنہ کبھو اُدھر نہ کیا

مت سمجھ بے حواس، اے ہمدم!
شکوۂ ہجر میں جو سر نہ کیا

ایک دم وصل، اس میں بھی رنجش
میں نے یہ ذکر جان کر نہ کیا

گو کہ خسرو نے سو بنائے قصر
دل میں شیریں کے ایک گھر نہ کیا

کیا غبار اس کے دل میں تھا کہ بیاںؔ
خاک پر بھی مری گزر نہ کیا

## ۱۴

سب کچھ، بیاںؔ سے، تب ہم جانیں گے ہو سکے گا
جب ہاتھ کو وہ اپنے دنیا سے دھو سکے گا

جس دل کو فرشِ گل پر آرام تھا نہ اک دم
بستر پہ خار و خس کے وہ کیونکہ سو سکے گا

بہ جائے خون ہو کر گو دل تری جفا سے
مجھ سے تو، یار! شکوہ تیرا نہ ہو سکے گا

اس راہِ عاشقی میں چلنا اُسے روا ہے
سرِ اوّلِ قدم پر جو شخص کھو سکے گا

تقلید کر بیاںؔ کی رو یا تو بوالہوس بھی
پر لختِ دل مژہ بیچ کیوں کر پرو سکے گا

## ۱۵

دل! نہیں عاشق تو ٹھنڈی سانس یہ بھرنا ہے کیا؟
مُنہ کو اس کے دیکھنا اور چشم تر کرنا ہے کیا؟

وصل اپنی زندگی اور ہجر اپنا مرگ ہے
ہم نہیں واقف کہ جینا کیا ہے اور مرنا ہے کیا

من ہرن میرے، بھلا رمنا تو مجھ سے اس قدر!
مزرعِ دل میں مرے یہ آن کر چرنا ہے کیا؟

روئیے دل کھول کر شاید کہ رحم آوے اُسے
جب ہوئے عاشق تو رسوائی سے پھر ڈرنا ہے کیا؟

گر حواسوں میں بیاںؔ تیرے خلل آیا نہیں
سر کو یہ ہر وقت اس کے پانو پر دھرنا ہے کیا؟

## ١٦

تیرا ستم جو مجھ سے گدا نے سہا سہا — تو بادشاہ ہے جو مجھے تو نے کہا کہا

دامن ترے سے لگ لوں، اگر دے رضا مجھے — یہ ناتواں غبار اگر یاں رہا رہا

رکھ آستیں شتاب مری چشمِ تر پہ، جاں! — ورنہ پھرے ہے سیل میں عالم بہا بہا

نکلے ہے لالہ خاک کے نیچے سے سرخ سرخ — رنگیں ہوا شہیدوں کے خوں میں نہا نہا

اب جی کے ڈر سے اس کو بیاںؔ تو نہ چھوڑ دو
ہیں مرد وے کہ بانہہ کو جس کی گہا گہا

## ١٧

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا — گردِ غم دل سے دھو نہیں سکتا

اشک یوں تھم رہے ہیں مژگاں پر — کوئی موتی پرو نہیں سکتا

شب مرا شورِ گریہ سن کے کہا — "میں تو اس غل میں سو نہیں سکتا"

کچھ بیاںؔ تخمِ دوستی کے سوا — ق — مزرعِ دل میں بو نہیں سکتا

مصلحت ترکِ عشق ہے، ناصح!
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا

## ١٨

اک کیا شیشۂ دل گر ٹوٹا — پر، مری جان! یہ کیونکر ٹوٹا؟

دل شکستہ ہوں مری ہو کیا قدر — کام آتا نہیں گوہر ٹوٹا

قاتل ایدھر خجل اُدھر مقتول — ذبح کرتے ہوئے خنجر ٹوٹا

شہرِ دل پر نہیں یہ آمدِ عشق — شاہ کا آن کے لشکر ٹوٹا

طاقت و صبر نے دی طرح بیاںؔ
دلِ بے تاب کا لشکر ٹوٹا

۱۹

آتے دیکھا اس کو پھر واقف نہیں دل کیا ہوا
کچھ نہ سمجھا میں کہ ہوتے ہی مقابل کیا ہوا

ذبح کردہ تو گیا، یاں کشتۂ تیغِ نگاہ
اب تلک فریاد کرتے ہیں کہ "قاتل کیا ہوا؟"

لیلیٰ آتی ڈھونڈتی، اے قیس! تب کچھ لطف تھا
بھول کر آیا اگر وادی میں محمل، کیا ہوا؟

کعبۂ مقصود پہنچا ہے مگر نزدیک آج
طے نہیں کچھ مجھ سے ہو سکتی ہے منزل، کیا ہوا؟

کس توقع پر بیاںؔ یہ کھینچتا ہے رنجِ عشق؟
کوئی یہ پوچھے کہ اب تک اس میں کیا حاصل ہوا؟

۲۰

لے کے دل اس شوخ نے اک داغ سینے پر دیا
جو لیا اس کا عوض اس نے مجھے بہتر دیا

دور تجھ سے ساغرِ پر نظر میں نے جو کی
کاسہ اپنا چشم نے خونناب دل سے بھر دیا

جو سلوک اب دل میں آدیں کر، مجھے تقدیر نے
دست و بازو باندھ کر تیرے حوالے کر دیا

دلبروں کے شہر میں بیگانگی؟ اندھیر ہے!
آشنائی ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں، لے کر دیا

بعضے ہی اوقات راحت ہم کو دی ہے چرخ نے
رنج و غم ہی اس ستم گر نے بیاںؔ اکثر دیا

۲۱

ہم کو فلک نے سہوسے ٹک چین اگر دیا
تو یاد کر کے پھر وہیں دکھ بیشتر دیا

کچھ عاشقوں کو خوف نہیں روزِ حشر کا
خالق نے اُن کو دل کے بھی بدلے جگر دیا

دو مُنہ کھلے انار ہیں اب چشمِ خوں فشاں
آخر یہ دوستی نے تمھاری ثمر دیا

دیکھیں گے تیری سنگ دلی ہے کہاں تلک
نالے میں گر ہمارے خدا نے اثر دیا

ہر چند تیرے عشق میں رسوا ہوا بیاںؔ
لیکن تجھے تو شہرۂ آفاق کر دیا

سمجھے کہ ہجر ہی میں ہے اوقات کاٹنا
دن رات، اب ہمیں ہے مساوات، کاٹنا

جس روسیہ نے ہم کو شبِ تیرہ کی نصیب
ناگن ہو کالی اس کو بھی، اے رات! کاٹنا

تو نے کیا مرے شجرِ دوستی کو قطع
اے بے حیا رقیب! ترے ہات کاٹنا

کیسا ہوا تھا کیا کہوں سرسبز یہ نہال!
ایسے ہرے درخت کو، بدذات کاٹنا

تنہا تو میری بات کو تحسین و آفریں
مجلس میں جب کہیں ہو ملاقات، کاٹنا

میں، تو سہی کہ مری ترا کاٹوں، اے رقیب!
تو اس کے آگے پھر بھی مری بات کاٹنا

ساقی! سبو کو دیکھ کے تک جام دے ہمیں
سارا ہے اس پہ موسمِ برسات کاٹنا

کھیے سخن کو غور سے، اے طبعِ جوشگاف!
یہ گھاس کھودنا نہیں یا بات کاٹنا

حاجت کو اپنی کس سے کہے جا کر اب، بیاںؔ؟
تو درد و دکھ کو قاضیِ حاجات کاٹنا

---

ہمدم! نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا
تو دل [illegible] آرام [illegible]

آتا ہے تجھ کو ننگ مرے نام سے عبث
اے شوخ! اب تو [illegible]

---

رونے سے گر میسّر روزِ وصال ہوتا
تو صبحِ حشر تک میں اس آرزو میں رونا

---

آ کر جو نہیں قاصد نے لیا نام کسی کا
اس بات کے سنتے ہی ہوا کام کسی کا

کیوں آج سماتا نہیں سینے میں خوشی سے؟
پہنچا ہے مگر، دل! تجھے پیغام کسی کا

---

دل تھا کہاں کہ میں نے کسی کو بیاںؔ دیا
بالفرض اگر دیا تو کہاں رائگاں دیا

---

میں ہی اس بت کا فقط کلمہ نہیں بھرتا، بیاںؔ
جس نے اس کافر کو دیکھا ہے مسلماں ہو گیا

قفس میں میں رہائی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا
پھڑکتا ہوں، تڑپتا ہوں، کوئی پروا نہیں کرتا

---

سیرت کے ہم غلام ہیں، صورت ہوئی تو کیا؟
سُرخ و سفید مٹّی کی مورت ہوئی تو کیا؟

---

ٹک پوچھیو بتاں سے کہ تمیں کام کیا کیا؟
پھر آج کا بھی روز کیا شام، کیا کیا؟

---

خونبہا قتل سے پہلے مجھے قاتل نے دیا
گوشۂ چشم سے اک واب کے لب دیکھ لیا

---

مذکور جب آیا رخصت کا دل سن کر تو من مار رہا
پر آنکھوں نے طوفان کیا وہ یار ہوا ہیں دار رہا

---

گُل کی حسرت کا مرے دل میں سدا خار رہا
میں تو بھر عمر قفس ہی میں گرفتار رہا

---

## ب

### ۲۳

ہر چند ہو سخن پر میرے ہزار 'کیا خوب!'
کیا لطف ہے کہ جب تک بولے نہ یار 'کیا خوب!'

جو دیکھتا ہے اس کے رخسارِ با صفا کو
نکلے ہے اس کے مُنہ سے بے اختیار 'کیا خوب!'

تا صبحِ حشر ہووے جس کی نہ شام وعدہ
آنے کا اس کے مجھ کو ہے اختیار؟ کیا خوب!

تھی میری بے اجازت جن کو نہ باریابی
ہیں اب ترے مصاحب وے نابکار کیا خوب!

وہ بات جب کہے ہے محفل میں، میں سنے ہی
کہتا ہوں دور بیٹھا میں بار بار 'کیا خوب!'

### ۲۴

یار نے جب سے اٹھایا اپنے چہرے سے نقاب
طعن کرنے سے مرے ناصح کو آتا ہے حجاب

کل تو آوے گا ہی آخر غرّۂ ماہِ صیام
آج تو پی لیجیے من مانتی، ساقی! شراب

میں زمیں کی طرح ساکن، وصل ہے اس کا محال
رات دن پھرتا ہی رہتا ہے مرا گردوں جناب

یہ حسابِ دوستاں در دل، مثل مشہور ہے
ہیں عجب وے دوست جو دل میں بھی کرتے ہیں حساب

خانماں کچھ ہم بھی رکھتے تھے کبھو لیکن بیاںؔ
اب یہی در ہے یہی گھر، خانۂ الفت خراب

۲۵

کیوں کہ عیسیٰ کا دہن کہیے کہ ہے جامِ شراب
جی سا آجاتا ہے جب سنتا ہوں میں نامِ شراب

پھنستے دیکھے اس میں ہم نے پارساؤں کے بھی پانو
ہے بچھا بے طرح کا یہ، اے مغاں! دامِ شراب

اپنی مخموری نے، اے واعظ! نصیحت کی مجھے
واقعی میں آج سمجھا بد ہے انجامِ شراب

رات یا دن شرب ہی کے وقت کیفیت ہے کچھ
ورنہ بد دیکھی ہے میں تو صبح اور شامِ شراب

مست اپنے کام میں ہشیار دیکھے ہیں بیاںؔ
ہاتھ سے دیتے نہیں اعزاز و اکرامِ شراب

۲۶

مرتا ہوں، غم گساری جو اب نہیں، تو پھر کب؟
اے یار! مجھ سے یاری جو اب نہیں تو پھر کب؟

کیا آگ لگ رہی ہے سینے میں کس سے کہیے!
اے چشم! اشکباری جو اب نہیں تو پھر کب؟

جاتا ہے وہ کہ جس سے تھا لطفِ زندگانی
آتی اجل ہماری جو اب نہیں تو پھر کب؟

برسے ہے ابرِ رحمت، ساقی! کدھر ہے مینا؟
ہنگامِ بادہ خواری جو اب نہیں تو پھر کب؟

دل سا گہر تو میرا، گم ہے بیاںؔ ہوا ہے
ہو مجھ کو بے قراری جو اب نہیں تو پھر کب؟

۲۷

دل چاہتا ہے تو ہو بغل بیچ تنگ و خواب
بے خوابی کا عبث ہے گلہ یہ ترنگ و خواب

کچھ اور گر خیال کروں سنگسار کر
کافی ہے بس مجھے ترے کوچے کا سنگ و خواب

آنکھوں میں کاٹنی ہے جنھیں رات ہجر کی
شیر و پلنگ ہے انھیں گویا پلنگ و خواب

ہم رنگ باحنوں کے فسانے کو جو سُنے
اڑ جائے چشم و چہرے سے اس کے بھی رنگ و خواب

اٹھ دوڑتا تھا خواب میں تیرے خیال پر
گزری تمام شب مجھے کرتے تلنگ و خواب

اب خواب میں بھی لے نہ سکوں نام صلح کا
یا تو تمام شب ہیں باہم تھی جنگ و خواب

فسّاق کا بھلا ہے نہ سونا نہ جاگنا
بیداری و شراب ہے افیون و بنگ و خواب

پھولوں کی سیج پر جنھیں آرام ہی نہ تھا
کب ان کو گور میں ہے میسّر پلنگ و خواب

پھیلا نہ اتنے پاؤں میاں سر بہ جیب ہو
آخر ہے ایک روز یہی جائے تنگ و خواب

---

لگتا ہے چشم بد دور، روئے نگار کیا خوب!
آغاز سی ہوئی ہے خط کی بہار کیا خوب!

---

۲۸

مے سے معشوقی کی ہے یاں تک نگاہِ یار مست
آنکھ بھر دیکھے تو ہو جاوے در و دیوار مست

تو، تو ساقی! جام ترسا کر پلاتا ہے مجھے
اس کی دو آنکھوں نے مجھ کو کر دیا اک بار مست

کیا قیامت زہرِ قاتل ہے تری، ساقی! شراب
صبحِ محشر سے ورے ہوتے نہیں بیدار مست

سو جگہ لغزش کریں اور پائے خم ہی جا گریں
کام میں اپنے جو میں دیکھا تو ہیں ہشیار مست

کیا کہوں کیا کیا امنگیں دل میں آتی ہیں بیاں!
جب نظر پڑتا ہے تنہا مجھ کو وہ مے خوار مست

---

# ث

## ۲۹

پوچھتا کون ہے، جو ڈرتا ہے تو، اے یار! عبث
قتل کرنے سے مرے ہے تجھے انکار عبث

کیا مری آنکھ عدم پیچ لگی تھی، اے چرخ!
کیا اس خواب سے تو نے مجھے بیدار عبث

وصل ہی اس کا دوا ہے مری بیماری کو
اور کچھ کرتے ہیں تدبیر یہ غم خوار عبث

یار تنہا ہے، پھر ایسا نہیں ملنے کا وقت
شرم ہوتی ہے مری مانعِ گفتار عبث

اور بھی ان نے بیاںؔ ظلم کچھ افزود کیا
کیا اس شوخ سے میں عشق کا اظہار عبث

---

# ج

## ۳۰

کیا بے طرح ہوئی تری دوری میں شام آج
مرنے کے پھر نہیں، نہ ہوئے جو تمام آج

تو بزم سے اٹھا کہ ہوئی تلخ مے کشی
میں سچ کہوں شراب کو سمجھا حرام آج

خُم جس کے پاس ہے وہ فلاطوں سے کم نہیں
جمشید ہے وہ جس کو میسر ہے جام آج

اس زلف پر ہو گر سرِ مو دسترس مجھے
سمجھوں گا یہ کہ ہاتھ لگا روم و شام آج

کھویا میں جس کے عشق میں نام و نشاں بیاںؔ
لے وائے پوچھتا ہے وہ لوگوں سے نام آج!

## ۳۱

رو کے اس سے میں کہا "مرتا ہے یہ بیمار آج"
مسکرا کر وہ لگا کہنے کہ "پھر اس کا علاج؟"

قید میں رکھتا ہے کیوں اس کو سلاطینوں کی طرح؟
کب دوانے نے، فلک! مانگا ہے تجھ سے تخت و تاج؟

دیکھیے کس طرح ہووے یک دگر صحبت برار — وہ قیامت سخت گو ہے، میں غضب نازک مزاج

ہم نے کفرستان میں بھی یہ ستم دیکھا نہیں — حسن کے کشور میں جو کچھ ظلم نے پایا رواج

یار میرا بادشاہِ ملکِ خوبی ہے بیاںؔ
جتنے خوش طلعت ہیں دنیا کے اسے دیتے ہیں باج

---

## چ

### ۳۲

مشتِ غبار میرے کو واں ہووے کیا پہنچ! — جس کی گلی میں رکھتی نہ ہووے صبا پہنچ

کہنا نہیں ہے عرش پہ میرے آہ! جا پہنچ — کانوں تلک بتوں کے تو اے نارسا! پہنچ

کیا پاس راہِ عشق سے ہے آشنانِ حق! — ایدھر رکھا قدم کو ادر اودھر گیا پہنچ

لاتی ہے پاس مرگ کے پیغام ہجر میں — تو اے نویدِ وصل! شتابی سے جا پہنچ

بے طرح گھر گیا ہوں میں غم کے جتھا میں — وقتِ مدد ہے اے شہِ خیبر کشا! پہنچ

لے بے خبر! بیاںؔ کا برا حال آج ہے
جاتا ہے اس کے پاس تو جلدی سے جا پہنچ

---

## ح

### ۳۳

گرچہ تسکیں دل کو دیتا ہوں کہ اب ہوتی ہے صبح — پر سمجھتا ہوں شبِ دوری کی کب ہوتی ہے صبح

کروٹیں لیتے ہی لیتے آہ پہلو تھک گئے — کوئی ہمسایوں سے پوچھے یہ بھی شب ہوتی ہے صبح

ان دنوں میں گرچہ یہ باتیں تو ہیں خواب و خیال — ہو بغل میں یار جس شب تو عجب ہوتی ہے صبح

شامِ غربت بھی بلا ہے پر نہ دکھلائے خدا
دل رُبا کے روزِ رخصت کی غضب ہوتی ہے صبح

ہجر کی شب کی سحر کا میں نہیں منکر بیاںؔ
لیک پہنچا کر ہمارا جاں بہ لب ہوتی ہے صبح

---

# خ

## ۳۴

نہ فقط یار بن شراب ہے تلخ
عیش و آرام و خورد و خواب ہے تلخ

میٹھی باتیں کدھر گئیں؟ پیارے!
اب تو ہر بات کا جواب ہے تلخ

ساتھ دینا یہ بوسہ و دشنام
قند شیریں ہے اور گلاب ہے تلخ

دل ہی سمجھے ہے اس حلاوت کو
گو بظاہر ترا عتاب ہے تلخ

دل سے مستوں کے کوئی پوچھے بیاںؔ
زاہدوں کو شرابِ ناب ہے تلخ

## ۳۵

ہزار حیف کہ گل چیں رکھے ہے پا گستاخ
یہ وہ چمن ہے کہ جس میں نہیں صبا گستاخ

وہ شوخ مجھ سے ہی تنہا نہیں ہوا گستاخ
ہمیشہ عشق کی خدمت میں حسن تھا گستاخ

کہاں یہ ہاتھ مرا اور کہاں وہ دامنِ پاک
تمھارے لطف و کرم نے مجھے کیا گستاخ

کبھو تو کہیو کفِ پا کو دیکھ کر اپنے
کہ چشم ان پہ رگڑتا ہے وہ مرا گستاخ

حضور میں بھی جتانے لگا کچھ اپنا عشق
بیاںؔ کو آپ نے یاں تک تو کر دیا گستاخ

## ۳۶

یہ لبِ شیریں نہ ہو جاویں گے، اے گلفام! تلخ
اس قدر مجھ کو جو تو کہتا ہے تیغ دشنام تلخ

گر شہیدِ عشق کے مرنے کی لذت کا نشاں — خضر کو ملتا تو لگتا زندگی کا نام تلخ

جوں گوارا ہو گزک کے ساتھ مستوں کو شراب — ساتھ بوسے کے نہیں لگتی تری دشنام تلخ

اٹھ گیا جب یار ہے بزمِ طرب اک غم کدہ — اس شکر لب بن ہمیں لگتا ہے مے کا جام تلخ

میں تو افسانہ سنا تھا خوابِ شیریں کے لیے
سو بیاںؔ تیرے تو قصے نے کیا آرام تلخ

---

# د

## ۳۷

مری بساط یہ بہرِ نثار ہے موجود — دلِ شکستہ و جانِ نزار ہے موجود

جو سیرِ باغ کو جی چاہے، دیکھ آئینہ — کہ اپنے گھر ہی میں پیارے بہار ہے موجود

ہمارا ضعفِ بصارت ہے مانعِ دیدار — وگرنہ سامنے آنکھوں کے یار ہے موجود

خدا کے واسطے مت کہیو پھر کہ مے کم ہے — کہ اس کے سنتے ہی ساقی خمار ہے موجود

چمن زمانے کا آنکھوں میں اب کھٹکتا ہے — کہ گل جہاں نظر آتا ہے خار ہے موجود

جہاں ہے مار، یہ لازم نہیں کہ ہو واں گنج — جہاں ہے گنج وہاں ایک مار ہے موجود

سبھوں نے چین لیا اپنے جس جگہ پایا
مگر بیاںؔ ہی ترا بے قرار ہے موجود

---

# ذ

## ۳۸

یہ آرزو ہے کہ وہ نامہ بر سے لے کاغذ — بلا سے پھاڑ کے پھر ہاتھ ہیں ملے کاغذ

وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھتا — قلم کے تن کو لگے آگ اور جلے کاغذ

تمام شہر میں تشہیر میرے بد خو نے
پیام بر کو کیا، باندھ کر گلے کاغذ

بہا دوں ایسے کئی دفتر اشک کی رو میں
کیے ہیں جمع، ارے غافلو! بھلے کاغذ

پیام بر مجھے ایسا کوئی نہیں ملتا
کہ حیلہ جو سے مرے لے ہی کر ٹلے کاغذ

بیاںؔ کو ضعف ہے اتنا کہ بادِ نالہ کے زور
جو خط لکھے تو اسے لے کے اڑ چلے کاغذ

---

ر

۳۹

اس قدر تو ہے بھروسا مجھ کو اپنی آہ پر
نہ فلک یچے اٹھا اک نالۂ جاں کاہ پر

دستِ قدرت نے تجھے ہر چند گردش میں رکھا
پر رخِ کج رفتار تو بھی تو نہ آیا راہ پر

بت ترے پتھر ہی نکلے، قطع کی ہم نے امید
اب فقط اپنی توقع رہ گئی اللہ پر

جس قدر مجھ ناتواں کو کھینچتی ہے اس کی چاہ
یہ کشش میں نے نہ دیکھی کہربا کی کاہ پر

عرش تک جاتی تھی یا لب تک بھی آ سکتی نہیں
رحم آتا ہے بیاںؔ اب مجھ کو اپنی آہ پر

۴۰

آج تو کچھ دیکھتا ہوں اس سے بارے اس قدر
خوب رو، عاشق کو دکھ دیتے ہیں پیارے اس قدر؟

بیٹھنے دیتا نہیں کوئی بساط اپنی پر اب
ہم تمارِ عشق میں، افسوس! ہارے اس قدر

تھا کسی کا کوئی دیوانہ سوا اب ہے جہاں یہ سب
اس کے کوچے میں کوئی جا کر پکارے اس قدر

عکس میرے دل کے داغوں کا ہے اس آئینے میں
آسماں لایا کہاں سے ورنہ تارے اس قدر

جانتا بھی اب نہیں کوئی بیاںؔ ہے یا نہیں
ہیں تری مجلس میں بیٹھا ہوں کنارے اس قدر

## ۴۱

فرہاد کس امید پہ لاتا ہے جوئے شیر؟ / واں خون کی ہوس ہے، انہیں آرزوئے شیر

ہے اُس جواں کی بات میں اب تو لہو کی باس / وے دن گئے کہ آتی تھی اس مُنہ سے بوئے شیر

ہوتے ہی صبح، آہ! گیا ماہِ چار دہ / روشن ہوا مجھے کہ نمک ہے عدوئے شیر

حسرت ہی دل میں کوہ کن آخر یہ لے گیا / شیریں نے اپنی آنکھوں کبھی دیکھا نہ جوئے شیر

اس دودھ کا خدا کرے کاسہ ہمیں نصیب / جنّت میں، پنج تن کی جو بہتی ہے جوئے شیر

عاشق ہیں اپنے خونِ جگر خوار، زہر نوش / رغبت طرف شکر کی ہے ان کو نہ سوئے شیر

جن کو بغیر سعی وہ شیریں دہن ملے / کھودیں نہ کوہ وے، نہ کریں جستجوئے شیر

ملتے ہی اس کے، دل کی گرہ میرے کھل گئی / عقدے شکر کے جیسے کھُلیں روبروئے شیر

پھر دودھ کی بڑھاپے میں آوے نہ مُنہ سے باس
آخر کہاں تلک یہ بیاں گفتگوئے شیر

## ۴۲

ذبح کر، پھینکتا ہے قاتل دُور / تاکہ دامن سے تڑپے بسمل دُور

حالِ غربت میں، دیکھیے کیا ہو / رہ خطرناک اور منزل دُور

گو کہ ہے یار تو بہ دل نزدیک / سیکڑوں کوس مجھ سے ہے دل دُور

جز خدا آشنا نہیں کوئی / کشتی ٹوٹی ہے اور ساحل دُور

کیونکر اب پہنچیے، بیاں، واں تک؟
آہ! جاتا رہا وہ محمل دُور

## ۴۳

اک بار فوجِ عشق پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر / لے گئی قرار دین و دل و ہوش لوٹ کر

بینا اگر ہے دل کو تو لے بھی کہیں شتاب / سینے میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر

دیکھوں گا کس کی آنکھوں سے اے چشمِ رُوے یار؟ — روتا ہے اس قدر بھی کوئی پھوٹ پھوٹ کر
ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی کہ مثلِ خار — پامال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر

کیا اس زمیں میں زورِ طبیعت کروں بیاں!
مضمون اس کے لے گیا سجادؔ لوٹ کر

۴۴

اول تو صاف مے پہ ساقی پلا پلا کر — دیتا ہے دردِ آخر وہ بھی رُلا رُلا کر
میں پیار کی نگہ سے مرتا ہوں، مجھ کو ظالم — کرتا ہے قتل ناحق تیوری چڑھا چڑھا کر
اب ذکر اس کے لب کا آیا مری زباں پر — دل چاہتا ہے کہیے باتیں چبا چبا کر
"کب خواب میں ملے گا جو جاگتے نہ آیا" — کہتے ہیں بختِ خفتہ مجھ کو جگا جگا کر
آیا لبوں پہ جب جی، فریاد ہم نے تب کی — آزردہ اتنے پر بھی تو تو ہوا، ہوا کر
محفل میں اس کی جا کر اشعارِ عاشقانہ — ق — پڑھتے تھے، قابلیت اپنی جتا جتا کر

وہ تند خو یہ بولا "کوئی کہے بیاں سے
تو شعر مت پڑھا کر مجھ کو سنا سنا کر"

۴۵

یہی ہر لحظہ مجھ کو دل میں سوچ آتا ہے رہ رہ کر — کیا میں نے ہی بد خو اس کو اتنے جور سہ سہ کر
نہ تھا مغرور، تھا جب تک کہ غافل اپنی خوبی سے — بگاڑا ہے اسے یاروں نے منہ پر وصف کہہ کہہ کر
کبھو ہم تم بھی ہم آغوش یوں گلشن میں رہتے تھے — کھڑے ہیں تاک اب جس طرح باہم ہاتھ گہہ گہہ کر
جو عالی ظرف ہیں کب چاہ کو اپنی جتاتے ہیں — مگر گم ہو صبا بلبل نے ڈالا شور چہہ چہہ کر
ہزاروں آفریں قابل ہماری جاں فشانی ہے — نہیں جز وہ کی توفیق دل مت توڑ ڈہ ڈہ کر
مشابہ کبک کے میں نے کہا جب اس کو چلنے میں — ہنسا وہ شوخِ خوش رفتار یہ سنتے ہی ڈہ ڈہ کر

رسول اللہ کُل عالم کا بیڑا پار کرتے ہیں
بیاں سب کشتیاں اس گھاٹ آ لگتی ہیں بہہ بہہ کر

اے مسیحا! تو مجھے زندہ نہ کر  ان لبوں کے منہ سے شرمندہ نہ کر

---

حسن فوّارے کا کس خوبی سے ہے یہ آشکار  متصل ہوتے ہیں گویا غیب سے موتی نثار

---

# ز

۴۶

مت ستا مجھ کو آن آن عزیز  ٹک کہا بھی کسی کا مان عزیز

کیونکہ دل اس سے پھیر لوں، ناصح!  جس سے رکھتا نہیں ہوں جان عزیز

یاں ہے خواہش خدنگ کی تیرے  ق  نہ رکھے گو کہ واں کمان عزیز

دل ادھر کھینچتا ہے، سینہ ادھر  سب کو ہوتا ہے میہمان عزیز

دل سے خادم ہوں میں بیاںؔ ان کا
جتنے ہیں میرے مہربان عزیز

---

# س

۴۷

صاف منہ پر میں نہیں کہتا کہ ہیگا اس کے پاس  ورنہ کیا واقف نہیں میں دل ہے میرا جس کے پاس

اس کی آنکھیں جب چمن میں یاد مجھ کو آ گئیں  بیٹھ کر میں زور ہی رو دیا گلِ نرگس کے پاس

ہے تو عزّت پر اذیّت بھی کچھ اس سے کم نہیں  جو کوئی محفل میں بیٹھے صاحبِ مجلس کے پاس

اپنی ہی بد طالعی مانع طلا ہونے کی ہے  ورنہ اک مدّت سے ہے اکسیر میرے مس کے پاس

یار ہے اپنی بغل میں بلکہ کچھ اس سے قریب
ڈھونڈتا ہے مثلِ نابینا بیاںؔ جس تس کے پاس

جواہری کی دکاں سے منگاؤں گا الماس — دکھاؤں گا ترے دانت اور چھپاؤں گا الماس
میں اپنے اشک کے ایسے بناؤں گا الماس — کہ چشمِ خلق میں آخر گراؤں گا الماس

---

## ش

۴۸

گر آپ کو اس قدر فراموش — ہو یاد سے یاد بسر فراموش
آنکھوں میں بھرے ہیں قطرۂ اشک — خاطر سے ہوئے گہر فراموش
گو سب نے بھلا دیا ہے، اے یار! — پر تو تو مجھے نہ کر فراموش
کیا ایسے سے دردِ دل کو کہیے؟ — ادھر تو سنا، اُدھر فراموش

تبلا تو بیاںؔ کسے کرے یاد
وہ تجھ کو کرے اگر فراموش؟

۴۹

مرے نامے کے ہے ازبس کہ رُو و رشت میں آتش — مثالِ مشعل آوے نامہ بر کی مشت میں آتش
نہ پوچھو داغِ دل کتنے ہیں اور ہے کس قدر سوزش — لگی گنتے ہی گنتے میری ہر انگشت میں آتش
ہزار آتش کدے سینے میں میں نے داب رکھے ہیں — کلیم آسا نہیں پھرتا دکھاتا مشت میں آتش
ہمیں مہر و محبت شعلہ رویوں سا تھ جتنی ہے — عزیزا اتنی نہ ہوگی مذہبِ زردشت میں آتش

بیاںؔ کا خط کھلا، یا چادرِ آتش باز نے چھوڑی
بھری تھی بس کہ سوزِ دل سے رُو و رشت میں آتش

---

## ص

۵۰

ہے زبانی ہی رُو برو اخلاص — دل میں رکھتا ہے کس سے تو اخلاص!

گل نے یہ خوبیاں کہاں پائیں — جو کہ رکھتا ہے رنگ و بوٗ اخلاص

نہیں خواہش کسو سے ملنے کی — بس تجھی سے ہے آرزوٗ اخلاص

باطناً گو نہ تھا بظاہر ہی — کاش رکھتا وہ تند خوٗ اخلاص

یاد ہے کچھ بھی وہ بیان کا ربط؟
اب تو گویا نہ تھا کبھو اخلاص

---

## ض

### ۵۱

آہ اب وہ مدعی کرتا ہے کب آنے کی عرض — جن سے بن پوچھے ہی کی داں سے مرے جانے کی عرض

خوب رذلوں پر توجہ دل کی رہتی ہے مدام — اس سیہاں کو بہت بھائی پری خانے کی عرض

کہہ رہا ہے میری کر و تدبیر کچھ پیش از بہار — کان دھر عاقل کہاں سنتے ہیں دیوانے کی عرض؟

سوزِ دل اپنے سے کب فرصت ہے جو ہم کچھ کہیں — شمع کی کیا التماس اور کیا ہے پروانے کی عرض

گو کہ رکھتے ہیں زبانِ چرب ہم لیکن بیاں
کان میں اس زلف کے مقبول ہے شانے کی عرض

---

## ط

### ۵۲

جانے لگے ہر ایک طرف صبح و شام خط — آیا وہ روسیاہ کہ جس کا ہے نام خط

اب آرزوئے بوس کہاں باریاب ہو — کرتا پھرے ہے چہرے کے گرد اہتمام خط

پہلے جواب صاف تمہیں دے ہی دے گئے — جو بندگی کا دیتے تھے لکھ کر مدام خط

یہ کس کو میں لکھوں ہوں کہ خونابِ چشم سے
رنگیں ہے جیسے کاغذِ ابری تمام خط

لکھتا ہوں سرگذشتِ شبِ ہجر میں بیاںؔ
ہوگا نہ روزِ حشر تلک اختتام خط

---

# ظ

## ۵۳

بے جرأتی پہ دال ہے گر کیجے یاں لحاظ
اب وصل ہے، کدھر کا ادب اور کہاں لحاظ!

وہ، جانِ جاں! تو چھوڑ گیا بے ملاحظہ
اب تن سے کیوں نکلنے میں کرتی ہے جاں لحاظ

بہرہ نہیں ادب سے جسے، آدمی نہیں
انسان کو ضرور ہے، اے مہرباں! لحاظ

کیا منہ سوالِ بوسہ کوئی اس سے کر سکے
وہ جس کا نام لیتے کرے ہے زباں لحاظ

پاسِ ادب سے گرچہ نفس خوں ہوا مرا
لیکن دیا نہ ہاتھ سے میں نے بیاںؔ لحاظ

---

# ع

## ۵۴

جو پتنگوں کے جلانے کا سبب ہوتی ہے شمع
تو انھوں کے غم میں رو رو جان بھی کھوتی ہے شمع

مشہدِ پروانہ روشن کیوں نہ ہووے دہر در
جس کی بالیں پر تمامی شب کھڑی روتی ہے شمع

یہ سرشکِ آتشیں کیا ہے سمجھتا ہے کوئی
دل میں پروانوں کے تخمِ دوستی بوتی ہے شمع

یہ جو پروانے کو مارا کوئی مٹتا ہے کلنک
روسیاہی اپنی رو رو کر عبث دھوتی ہے شمع

مرگ سے غافل نہیں جو شخص ہیں روشن ضمیر
صبح کے ڈر سے بیاںؔ شب کو نہیں سوتی ہے شمع

# غ

## ۵۵

جو نہ ہو اس شمعِ رُو کے عشق کا سینے میں داغ
کون مجھ بیکس کی تربت پر کرے روشن چراغ

اس بڑھاپے میں بھی ہے اک عشق کا سینے میں داغ
ہو چکی ہے صبح اور روشن ہے اس گھر میں چراغ

جان کر معنیٰ کسی کے میں نہیں باندھے کہیں
صاحبِ خرمن کو کب ہے خوشہ چینی کا دماغ

آہ کیونکر روئیے دل کھول کر اس کے حضور
خندۂ گل کی صدا کرتی ہے جس کو بے دماغ

ٹک مراقب ہو کے دیکھ اپنے گریباں کی بہار
سیر کو اٹھنے نہ دے گا پھر کہیں یہ خانہ باغ

غائبانہ آپ کو ترجیح دیں مجھ پر رقیب
روبرو طوطی کے کوئی سبز ہو سکتا ہے زاغ

عرض لیتا ہم زبانوں کے سلیقے کی بیاںؔ
اس دلِ نالاں کے شیون سے اگر پاتا فراغ

---

# ف

## ۵۶

آتا ہے جی کو دیکھ کے جوشِ بہار حیف
اے عندلیب! تو ہے قفس میں، ہزار حیف!

یاں تک ہوں خستہ حال کہ دیکھے ہے جو مجھے
نکلے ہے اس کے مُنہ ستی بے اختیار حیف!

میں پس کے خاک میں ترے کوچے کی مل گیا
تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھ سے غبار حیف!

بسمل ہی کر کے چھوڑ دیا، پھر نہ لی خبر
فتراک سے ترے نہ بندھا یہ شکار حیف!

کیا کیا شر اس کے واسطے میں نے کیے قبول
سمجھا نہ خیر خواہ بیاںؔ مجھ کو یار، حیف!

## ۵۷

جب دیکھتا ہے طائرِ آزاد کی طرف
صیدِ اسیر دیکھے ہے صیّاد کی طرف

ہو چرخ تو بھی اس ستم ایجاد کی طرف ! | کافی ہے پاس اس دلِ ناشاد کی طرف
دیکھیں اگر ترے قد و قامت کو قمریاں | ہرگز نہ جائیں پھر کبھو شمشاد کی طرف
ہووے گا ذوق حسرتِ دیدار میں خلل | شیریں گزر نہ کیجیو فرہاد کی طرف
یاں تک تو سیر جاں سے ہے مجنوں ترا کہ میں | ق | لے کر چلا تھا خانہ فصّاد کی طرف
وہ خوں گرفتہ راہ میں کہنے لگا مجھے | "لے چل خدا کے واسطے جلّاد کی طرف"

باتوں میں آہ کن نے لگایا اسے بیاںؔ؟
رکھتے تھے کان تک مری فریاد کی طرف

---

# ق

## ۵۸

بھلا سن تو اے دین و ایمانِ عاشق! | ہوا کیوں ہے تو دشمنِ جانِ عاشق
بظاہر تو عاشق ہی ہوتے ہیں قرباں | بہ باطن ہیں معشوق قربانِ عاشق
مقابل ہی رہتا ہے ہر وقت تیرے | ہے آئینہ یا چشمِ حیرانِ عاشق
نہیں چشمِ بد سے رقیبوں کی خطرہ | ترا لطف بس ہے نگہبانِ عاشق

بیاںؔ اس برابر نہیں کوئی دولت
کہ معشوق ہووے ثنا خوانِ عاشق

---

# ک

## ۶۰

کروں شکوۂ دردِ غم کب تلک ! | بہر حال جیتا تو ہوں اب تلک
طبیبو ! نہ ہوگی شفا تب تلک | نہ آوے وہ عیسیٰ نفس جب تلک

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا کہ سینے سے آتی نہیں لب تلک
نپٹ ہی بیاںؔ کا برا حال ہے ق تغافل ارے بے خبر! کب تلک
یہی دن ہے ملنا ہے تو اس سے مِل
کہ بچتا نہیں آج کی شب تلک

## ۶۰

ہیں ایک وضع پہ سینے کے داغ تازہ و خشک نہیں بہار و خزاں میں یہ باغ تازہ و خشک
تمیز اہلِ دول کو ہے ربط و یابس کی کہ سوجھتا نہیں کچھ بے فراغ تازہ و خشک
مگر رقیب سبھی ہمراہِ یار آتا ہے خبر جو دے ہے مجھے ہو کے زاغ تازہ و خشک
جنھیں ہے عشق انھیں خال و خط ہی ہے بس قوت کہ دانہ گھاس سے ہو دیں الاغ تازہ و خشک
جلیں ہیں پر نہیں ہم جوں پتنگ آلودہ برنگِ لالہ ہے اپنا چراغ تازہ و خشک
مبادسینۂ عاشق کا استخواں ہو کوئی سمجھ کے توڑیو پیارے جناغ تازہ و خشک
مقلّدوں کی نہ صحبت سے نفع ہو نہ ضرر نہ کر سکے گُلِ کاغذ دماغ تازہ و خشک
شراب خانۂ حیرت کے بادہ نوشوں کا مثالِ آئنہ دیکھا ایاغ تازہ و خشک
جو تجھ سے دور ہیں نزدیک ان کے ہے سب ایک بہار اور خزاں، باغ و راغ تازہ و خشک
بیاںؔ جوانی و پیری کدھر گئی پیہم
کہ بحر و بر میں نہ پایا سراغ تازہ و خشک

---

گو کہ صورت ہے خوب تیری نیک چاہیے آدمی کی سیرت نیک
مجھ سے، اے دل ربا! تجھے لاکھوں ق نہیں ملتا ہے مجھ کو تجھ سا ایک
قرض میں نے کیا ملا کوئی دوسرا دل کہاں سے لاؤں نیک

---

# ل

۶۱

رکھے گا حشر تک مانندِ نرگس چشم وا بسمل
نگاہِ واپسیں کی بس کہ حسرت لے گیا بسمل

ادب سے یار کے، دل میں نفس خوں ہو گیا میرا
یہ بلبل ناتواں آخر قفس ہی میں ہوا بسمل

تڑپنے کے تماشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
موا جاتا ہے کیوں اتنا تنک اک پہر تو ہلا بسمل

نہ ہی میں کشتۂ شمشیرِ رو نے مقتولِ خنجر ہوں
مجھے اس ترکِ بدخو کے تغافل نے کیا بسمل

نکل سکتا نہیں ہے شکر کے عہدے سے قاتل کے
بیاںؔ کس منھ سے مانگے اس سے اپنا خوں بہا بسمل

۶۲

نامہ بر! خط کو مرے تو کہیں اب آب میں ڈال
مت کہیں جا کے خللِ خاطرِ احباب میں ڈال

بعد مدت کے ہم آغوش ہوا ہوں، ظالم!
آہ اس وقت نہ تو اپنے تئیں خواب میں ڈال

آسماں سے طمعِ نعمتِ الواں مت رکھ
ہے بڑی اوندھی، نہ ہاتھ اپنا تو اس قاب میں ڈال

رکھ مسبب پہ نظر صرف وہی کافی ہے
ہے اگر مرد تو خاک عالمِ اسباب میں ڈال

اے ہوس! تجھے اکسیر بتاتا ہے بیاںؔ
خاک اس کوچے کی لے اور اسے سیماب میں ڈال

۶۳

ہمارے کیفی کا منھ ہے گلاب کا سا پھول
عرق جو ٹپکے ہیں ہے شراب کا سا پھول

کچھ آ کے باغ میں شورش مری بڑھی بلبل
رکھے ہے ڈھب اسی خانہ خراب کا سا پھول

نہیں ہے اس سرِ انگشت پر یہ فندق بند
بندھا ہے شاخ پر اک انتخاب کا سا پھول

کھلے جو آنکھ تو دھوکا ہے باغِ دہر تمام
خیال کیجیے یہ بلبل، ہے خواب کا سا پھول

کوئی نہ لالہ رخوں میں ہے گلبدن ایسا
نہیں ہے پھولوں میں جیسے گلاب کا سا پھول

بس آنکھ کھلتے ہی ہے کان میں پیامِ خزاں
رکھے ہے باغ میں عالم حباب کا سا پھول

چمن میں دہر کے، ہے خاکِ کربلا کی قسم
کھلا نہیں ہے کہیں بوتراب کا سا پھول

ہے عندلیب دوانی دگرنہ کیا نسبت
رکھے ہے چہرہ اس عالی جناب کا سا پھول؟

نہ میرے نالے سے بلبل کو ہے بیاں نسبت
نہ منہ رکھے مرے حاضر جواب کا سا پھول

---

## م

۶۴

ہزار واہ خط و زلف لاکھ واہ قلم
یہ ہاتھ کا ہے کس استاد کے سیاہ قلم

نہ مجھ سے ہو سکے تقریر اس کی بے تحریر
زباں اس امر میں شاہد ہے اور گواہ قلم

ہزار سال سے کہتے ہیں یوں عوام الناس
کہ دو زبان سے بکتا ہے میں ہوں شاہ قلم

قلم کو قدر قلم کش کے ہاتھ نے دی ہے
دگرنہ کیا ہے نےِ خشک قسمِ کاہ قلم

پھرا ہے نظروں میں ایسا پھکیت چابک دست
کہ نیمہ راہ میں ناظر کے ہو نگاہ قلم

نہیں ہے دوری میں تیری کسی سے ربط مگر
انیس طبع کا اپنی ہے گاہ گاہ قلم

جو خط کے لکھنے میں یاد آتی ہے تری صورت
کرے ہے خون کے دریا میں پھر شناہ قلم

جو دیکھتے تری تصویر مانی و بہزاد
تو بولتے وہیں بے اختیار واہ قلم

دلوں کے درد کی تشریح سخت مشکل ہے
اب اس میں خواہ زباں ہو رفیق خواہ قلم

یہ عشق کیا ہے کہ آیا ہے جب سے لکھنے میں
امان مانگے ہے کاغذ بھی اور پناہ قلم

سخن کے لکھنے کا ڈھب کس طرح بیاں کو رہے
کہ منہ دوات کا دیکھے نہ سال و ماہ قلم

## ۶۵

میں بھی میاں کچھ آدمی ہوں مجھ سے شرماتے ہو تم
دیکھ کر مجھ کو عبث مجلس سے اُٹھ جاتے ہو تم

بات کچھ اس کی نہ سمجھا ڈرتے میں کہتا تو تھا
"بندہ پرور! یوں ہی ہے جس طرح فرماتے ہو تم"

جانتا ہوں دشمنِ جانی ہو اس میں شک نہیں
جی سا آ جاتا ہے لیکن جس گھڑی آتے ہو تم

کوئی بھی بکنے سے دیوانوں کے ہوتا ہے ملول!
بات میری کیا جسے خاطر میں کچھ لاتے ہو تم

اس غزل پر گر فغاںؔ ریجھے تو یہ پڑھیو بیاںؔ
"میں تو اس لائق نہیں، یہ لطف فرماتے ہو تم"

## ۶۶

ابر سے ہم چشمی ان آنکھوں کی کیونکر ہو مدام؟
وہ کبھی برسے کبھی کھل جائے، یہ بد خو مدام

وہ مے جوشاں کہ جن نے خم کو ٹکڑے کر دیا!
ہم نے اس ٹوٹے سے شیشے میں رکھا اس کو مدام

یہ جگر جلتا ہے یا دل یا کہ سینہ ہی تمام
مجھ کو اس کلبے سے آتی ہے دھوئیں کی بو مدام

ہو دو زانو اغنیا کے پاس مت قالیں پہ بیٹھ
پاؤں پھیلا بوریے پر اپنے گھر میں سو مدام

زندگی ہو گی بیاںؔ تو وصل بھی ہو گا کبھی
دل کو ٹک ہنس بول کر بہلا، مت اتنا رو مدام

---

بار محفل میں کبھو پا دیں گے ہم؟
یا اسی حسرت میں مر جاویں گے ہم؟

---

رخصت کرتے ہی مر گئے ہم
ادھر گئے تم، اُدھر گئے ہم

---

# ن

## ۶۷

آگے تو زلف ہی فقط مار رکھے تھی جال میں
دام بچھائے ہے یہ خط اور اب ایک حال میں

کون حیا ہے یہ کہ یار، ملنے سے جس کے رکھے عار
خواب میں کیجے نت گزار، رہیے سدا خیال میں

بادہ کشی میں گر علم ہوں تو نرا ہے یہ ستم
مثلِ نگاہِ یار ہم مست نہیں اپنے حال میں

اہلِ زمیں ہی کچھ تباہ ہیں نہیں، چرخ پر بھی آہ
مہر سے لے کے تا بہ ماہ ہیں شرف و وبال میں

یا تو بیاںؔ ہی تھا قریں، بس وہی ایک ہم نشیں
یا کہیں بات ہی نہیں، اب کبھو ماہ و سال میں

## ۶۸

چھٹے جب دام سے تیرے تو کب ہم ہاتھ لگتے ہیں
کوئی شہباز، اے صیاد! اِدھر دم ہاتھ لگتے ہیں

کبھی ہم بھی زباں کھولیں گے، اے ذوقِ سخن گوئی
اگر اس دردِ جاں فرسا کے محرم ہاتھ لگتے ہیں

ترے آنے سے آگے گر کوئی ڈھونڈے ہمیں یا وے
طلوعِ خور سے پہلے مثلِ شبنم ہاتھ لگتے ہیں

بھلا رونا تو میں مکرا، کہوں کیا گر کوئی پوچھے
ہوئی تر آستیں کس طرح؟ کیوں نم ہاتھ لگتے ہیں؟

کرے جو دل وہی ایسا نہیں ہے ایک عالم میں
وگرنہ دل ستاں تو عالم عالم ہاتھ لگتے ہیں

پھنسا ہے دام میں تیرے ہما یعنی بیاںؔ کا دل
نہ ہو غافل کہ صید ایسے بہت کم ہاتھ لگتے ہیں

## ۶۹

دیکھ گرمی تری کتنوں کے جگر جلتے ہیں
پڑیں چولھے میں جو یہ پست نظر جلتے ہیں

طائرِ قدر ترا بال کشا ہے جس جا
آ گئے اڑتے ہوئے جبریل کے پر جلتے ہیں

بے ہنر مجھ سے کو دیتا ہے خدا اتنا کچھ
کہ جسے دیکھ بہت اہلِ ہنر جلتے ہیں

چاہیے ڈرتے رہیں صالح و طالح دونوں
خشک دیکھا کہ وہ بچ رہتے ہیں، تر جلتے ہیں

تپِ مرض کی کبھی بھڑکے کبھی دھیمی ہووے
عشق کی تپ ہے جنھیں آٹھ پہر جلتے ہیں

سیج پر پھولوں کی محبوب کہ خوش سوتا ہو
کیا خبر اس کو کہ عشاق کدھر جلتے ہیں؟

قرب میں دوست کے ہے عیش کہ دیکھا اس کو بیاںؔ
جنتی رشک سے یوں اہلِ سقر جلتے ہیں

## ۷۰

در پر ترے کیا بے دل ارے یار! کھڑا ہوں
ہاتھوں سے رقیبوں کے نہیں بار، کھڑا ہوں

بیٹھے ہیں عنایات کی امید پر اغیار
میں ہوں کہ عقوبت کا سزاوار کھڑا ہوں

ہے عشق میں اک لشکرِ غم مجھ سے مقابل
گر یار! مدد ہو تو ابھی مار کھڑا ہوں

اتنا بھی ستم کیا ہے، ٹک انصاف تو کر تو
تسلیم ہو، آگے ترے خونخوار کھڑا ہوں

کہتا ہے "بیاںؔ! سر نہیں لاتا ہے تو آگے
میں کب سے لیے ہاتھ میں تروار کھڑا ہوں

## ۷۱

ہمیں ہی شمع رو اپنا نہ دیوانے بناتے ہیں
چمن سے بلبلوں کو کھینچ پروانے بناتے ہیں

اٹھا دیتے ہیں اک پل میں منا لیتے ہیں اک پل میں
غرض عاشق کے تئیں اپنے یہ جانانے بناتے ہیں

کبھی شیریں دہن مصری کی ڈلیاں دل میں گھر چاہیں
ہم اپنے سینے میں جوں شاں غسل خانے بناتے ہیں

لیا دل اور اس میں اپنی جاگہ کر گئے قائم
کہ لیتے ہیں جس آبادی کو واں تھانے بناتے ہیں

کسی بھی امر کی اصلاح ہم دیکھی نہ اخواں سے
ہماری بات بگڑی بلکہ بگانے بناتے ہیں

سلاطیں راج بنیے قدر گوہر کی سمجھتے ہیں
ہم ان کے گوش کی خاطر یہ دردانے بناتے ہیں

ہماری بھی کہانی کل بیاںؔ یوں ہی بنا دیں گے
کہ جیسے آج ہم لوگوں کے افسانے بناتے ہیں

## ۷۲

گو کہ ناصح کو اعتبار نہیں
دل پہ میرا کچھ اختیار نہیں

دے نگاہیں جگر میں پیر گئیں
کونسا وار ہے کہ پار نہیں

وقت! آنے کو اپنے تو مت پوچھ
مجھ کو کس آن انتظار نہیں

گر نہ خفاشِ چشم کو سوجھے
مہر کس ذرّے میں دوچار نہیں

جھانک ٹک باغ دل میں اپنے بیاںؔ
اس چمن میں بھی کم بہار نہیں

## ۷۳

یہ خوب رو نہ پری، نے کنار رکھتے ہیں — نگاہِ لطف سے عالم کو مار رکھتے ہیں

چراغِ گور نہ شمعِ مزار رکھتے ہیں — بس ایک ہم یہ دلِ داغدار رکھتے ہیں

شرابِ عشق نہ اے دوست! بھیجیو ہرگز — اسی نشے کا ہم اب تک خمار رکھتے ہیں

تجھے گمان غلط ہے یہ، ناصحِ مشفق! — کہ دل کے دینے میں ہم اختیار رکھتے ہیں

مری زبانی کوئی اس سے اس قدر پوچھے — کہیں یہ جھوٹے بھی وعدے شمار رکھتے ہیں

قیامت آچکی دیدارِ حق ہوا سب کو — ہم اب تلک بھی ترا انتظار رکھتے ہیں

اگرچہ خاک برابر کیا فلک نے بیاںؔ
دماغ، پر وہی ہم خاکسار رکھتے ہیں

## ۷۴

بغل میں اپنی سبھی اپنا یار رکھتے ہیں — مگر ہمارے ہی صاحب کنار رکھتے ہیں

نہیں میں بوسہ لیا، ہونٹ پیارے چومے — جو اس پہ روٹھے تو آپ اختیار رکھتے ہیں

بعید ہے یہ، صفا منظروں کی خوبی سے — کہ خاکساروں سے دل میں غبار رکھتے ہیں

جہاں کی آنکھوں میں گو عشق نے ذلیل کیا — پر اس کی نظروں میں ہم اعتبار رکھتے ہیں

قبولِ خلق خدا اس قدر نصیب کرے — ق — بیاںؔ کے حق میں جو الطاف یار رکھتے ہیں

ادھر تو دیر میں کرتے ہیں برہمن سب یاد
حرم میں شیخ ادھر انتظار کرتے ہیں

## ۷۵

کیا دردِ دل سنائیے! کچھ بات ہی نہیں — کیونکر بلائیے کہ ملاقات ہی نہیں

جب سے کہ گوش رس ہوئے الفاظ غیر کے — وہ اپنے ساتھ چشمِ عنایات ہی نہیں

مومن نہ کافر اور نہ سید نہ شیخ ہے — عاشق کی پوچھیے تو کوئی ذات ہی نہیں

میں کی تھی سیلِ اشک چھپانے کی زور فکر سو اب کے سال شہر میں برسات ہی نہیں

وہ روز کونسا ہے نہیں جس کو شب بیاںؔ
یہ ہجر کا ہے دن کہ جسے رات ہی نہیں

۷۶

دل اب اُس دل شکن کے پاس کہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں؟
صبر بیمارِ عشق کی ہے دوا پر طبیعت سے میری راس کہاں؟
صبح آنے کا اس کے وعدہ ہے مجھ کو پر رات بھر کی آس کہاں؟
دشمنِ جاں کو دوست سمجھا میں وہ کہاں، میں کیا قیاس کہاں!

کیا ہوا اس کو دیکھتے ہی بیاںؔ
ہوش کیدھر گئے حواس کہاں!

۷۷

جو زمیں پر فراغ رکھتے ہیں آسماں پر دماغ رکھتے ہیں
ساقی بھر بھر انھیں کو دے ہے شراب جو کہ لبریز ایاغ رکھتے ہیں
تیرے داغوں کی دولت اے گل رو ہم بھی سینے میں باغ رکھتے ہیں
حاجتِ شمع کیا ہے تربت پر ہم کہ دل سا چراغ رکھتے ہیں

آپ کو ہم نے کھو دیا ہے بیاںؔ
آہ کس کا سراغ رکھتے ہیں

۷۸

شکوہ اپنے طالعوں کی نارسائی کا کروں؟ یا گلہ اے شوخ! تیری بے وفائی کا کروں؟
وہ کہ اک مدت تلک جس کو بھلا کہتا رہا آہ اب کس منہ سے ذکر اس کی برائی کا کروں؟

آبِ زمزم سے میں دھولوں اپنی پیشانی کے تئیں
در پہ تب اس کے ارادہ جبہ سائی کا کروں؟

خوب سی تنبیہ کرنا، اے جدائی! تو مجھے
گر کسی سے پھر کبھی قصدِ آشنائی کا کروں؟

گر مسخر ہووے وہ خورشید رو میرا بیاں
بادشاہی کیا کہ میں دعویٰ خدائی کا کروں

## ۷۹

چراغِ صبح ہوں یا آفتابِ روزِ آخر ہوں
کوئی ساعت کا مہماں ہوں، کوئی دم کا مسافر ہوں

تمنا بادشاہی کی کسی سفلے کو ہووے گی
مرے دل میں خدائی کا بھی خطرہ ہو تو کافر ہوں

ہوس اسبابِ آزادی کے سب برباد دیتی ہے
گرفتارِ علائق، اے ہوا! میں تیری خاطر ہوں

نہ بت خانے میں ہندو ہے، نہ کعبے میں مسلماں ہے
وفا کے آستانے پر مگر اک میں ہی حاضر ہوں

بیاں باطن میں بدتر آپ کو پاتا ہوں حیواں سے
یہ اس کا فضل ہے جو صورتِ انساں بظاہر ہوں

## ۸۰

جب کہ دلچسپ کسی شوخ کی صورت دیکھیں
دل کے دینے میں نہ عشاق مہورت دیکھیں

اہلِ اخلاص جو مصحف بہ ضرورت دیکھیں
قل ہو اللہ کی بس کھول کے صورت دیکھیں

تجھ سے پتھر کی پرستش سے یہ بہتر ہے کہ ہم
سنگ کی ایک بنا کر کوئی مورت دیکھیں

اپنے ہی شہر میں وہ ماہ جبیں جن کو ملے
سیرِ گجرات کو وے جائیں، نہ سورت دیکھیں

آہ ہم صافیِ ظاہر پہ دیا دل کو بیاں
یہ کہاں چشم کہ باطن کی کدورت دیکھیں

## ۸۱

ڈرتا نہیں مرنے سے کہ رنجور پڑا ہوں
افسوس! کہ اس در سے بہت دور پڑا ہوں

جوں سرمہ سیہ کاری بھی مقبول ہے میری　　نظروں میں تری جب سے کہ منظور پڑا ہوں

صد حیف کہ دریا کے کنارے رہوں تشنہ　　خم پاس اور افسوس کہ مخمور پڑا ہوں

نے شمع سحر گہ ہوں، نہ خورشید سر شام　　میں دوری میں اس ماہ کی بے نور پڑا ہوں

گر میری خبر پوچھیں بیاں حضرت آصف
کہیو اسی کوچے میں بدستور پڑا ہوں

## ۸۲

اپنے ہی منہ سے کہیں کیونکہ ہم ایسے ہیں　　جاں نثار اپنوں میں گر ڈھونڈو تو کم ایسے ہیں

وے معطر کریں اوران سے پریشاں ہو دماغ　　اہل دل ویسے ہیں اور اہل شکم ایسے ہیں

قہر اس لطف سے کرتا ہے کہ جی دیتی ہے خلق　　رحم کیا ہوویں گے وے جن کے ستم ایسے ہیں

ایسی تیسی کریں ہم ان کی جو بدنام کریں　　آپ کی وضع نہ ویسی ہے، نہ ہم ایسے ہیں

کیا کمال اپنے بیاںؔ ہم کریں جز بے ہنری
صاحب السّیف ہیں یا اہل قلم ایسے ہیں

## ۸۳

علم سینے میں یا سفینے ہیں　　یاں سفینے میں ہے نہ سینے میں

ایسی مے سے کہ یار بن پیجے　　ہے مزہ خون دل کے پینے میں

عیش سب خاک میں ملے بے یار　　بادہ آتش ہے آبگینے میں

زندہ درگور میں ہوا تجھ بن　　یعنی خاک اس طرح کے جینے میں

کوئی تیرا عدو نہیں ہے بیاں
آپ مت رہ کسی کے کینے میں

## ۸۴

آہ اپنے سرو خوش رفتار کو دیکھا نہیں　　کل سے بیکل ہے مرا دل، یار کو دیکھا نہیں

اپنی آنکھوں میں اسی دن، ہے قیامت آشکار
جس دن، اے مولا! ترے دیدار کو دیکھا نہیں

قیمت اپنی سے مرا یوسف نہیں رکھتا خبر
جب تلک اس مصر کے بازار کو دیکھا نہیں

کعبۂ مقصود میں جو گھر کے صاحب سے ملا
ان نے پھر واں کے در و دیوار کو دیکھا نہیں

در پہ اس قاتل کے، ہیں کشتوں کے پشتے بیشمار
پر نکلتے آج تک تلوار کو دیکھا نہیں

وار ہی سے عشق کے دریا کی لی یاروں نے تھاہ
پر کسی پیراک نے اس پار کو دیکھا نہیں

کفر اور اسلام کے آئیں کو کیا سمجھے بیاںؔ
جن نے اب تک سبحہ و زنار کو دیکھا نہیں

## ۸۵

یا کبھو محفل میں اس کی میں ہی میں تھا، ہائے میں
یا اب اس کوچے میں بھی رکھتا نہیں ہوں جائے میں

اپنی ہستی کھو کے اوروں کو سکھا کسبِ فنا
تجھ سے تو جاوے کہاں جب تک نہ مجھ سی جائے میں

وہ کہ میرے حال سے جس کو نہیں کچھ آج غم
کل کبھی بے پروائی ایسی ہی کرے تو وائے میں

جو بلا بھیجے تو ٹک اغیار میں عزت رہے
جانتا تو ہے کہ رہنے کا نہیں بن آئے میں

دشمنوں نے عیب ہی ثابت کیے اس دوست پر
سو ہنر اپنے بیاںؔ ہر چند واں دکھلائے میں

## ۸۶

شیخ کعبے میں بھٹکتا ہے، برہمن دیر میں
آپ ہی میں ہے، عبث یہ ڈھونڈتے ہیں غیر میں

آہو و بلبل میں حسن و عشق اگر پایا بھی جائے
نسبت انساں کیوں کریجے وحش و طیر میں

بس مرا، صاحب! یہی انصاف ہے سرکار میں؟
خیر خواہی میں رہیں مصروف ہم، تم بیر میں

حسن کا اپنے تصدق ایک بوسہ ہم کو بھی
یاد رکھنا یہ سدا، پیارے! بھلا ہے خیر میں

دیکھیے کس کی کشش آتی ہے غالب اے صنم!
میں تجھے مسجد میں کھینچوں یا مجھے تو دیر میں

ایسے کندہ ناتراشیدہ بھلا سمجھیں گے کیا
فرق جو کرتے نہ ہووے آبنوس و کھیر میں

سب قفس کے عندلیبوں کو چھڑا دوں گا بیاںؔ
دل اگر اس کا کھلا مجھ سے چمن کی سیر میں

جب سے اغیار نے کچھ اور دکھائیں آنکھیں — ہم نے پھر آپ سی وے اپنی نہ پائیں آنکھیں
دل کی آنکھوں کو بہم چاہیے باطن میں ملاپ — گو بظاہر نہ ملائیں نہ ملائیں آنکھیں

---

اغیار مجھے آن کے نت بات منا دیں — رنجش ہی بھلی تھی کہ یہ بدذات منا دیں
اب شغل نیا ہاتھ لگا ہے یہ بتاں کے — دن نکلے رُٹھا دیویں ہمیں رات منا دیں

---

زہر سے کیا تلخ تر ہے مے کا پینا یار بن — مرگ سے بدتر کوئی حالت ہے جینا رات بن

---

نہ واقف مے کی کیفیت سے نے مینا سمجھتے ہیں — ہم اپنے خون دل کو راح روح افزا سمجھتے ہیں
تری فہمیدہ کا تو پوچھنا کیا ہے و لے ہم بھی — معانی کو ترے ناز و ادا کے کیا سمجھتے ہیں

---

## و

### ۸۷

کہتا نہیں ہیں قاصد! لے کر جواب پھریو — ٹک واسطے خدا کے واں سے شتاب پھریو
اس کی گلی سے مجھ کو جس شخص نے نکالا — میری طرح سے یارب وہ بھی خراب پھریو
ٹک مے کشوں میں اب تو مت بیٹھ بعد میرے — کوچہ بہ کوچہ بیاسے! پی کر شراب پھریو
ہے آج وصل کی شب، مت صبح ہو شتابی — زیر زمیں ہی ٹک، اے آفتاب! پھریو

تو دیکھ کر چلا ہے حالت بیاں کی ہمدم!
کچھ دیر وہ لگاوے تو تو شتاب پھریو

### ۸۸

رفع خموری مری خست کو تم چھوڑ دو تو ہو — تم سے ہی گزرا مغاں! ساغر میں مے کی بو تو ہو

محرموں اپنوں سے پوچھو اور اپنی خوبیاں
پُرتکلف برطرف اے مہرباں! بدخو تو ہو

شہر میں بس میں ہوں اور تو اور فرشتہ بھی نہ ہو
اک طرف ساقی پسر اور دخترِ رز ہو تو ہو

یوں تو ممکن نہیں کہ تجھ بن یار ہووے جلوہ گر
زنگ اپنے دل کے آئینے سے غافل کھو تو ہو

تخم ریزی مزرعۂ دنیا میں کرنا چاہیے
اے بیاںؔ! اُمید ہنگامِ درو، کچھ ہو تو ہو

## ۸۹

کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو
اک بے خلل سی جا ہو، بس میں ہوں اور تو ہو

جی چاہیے جو ذلت دے لیجیے اکیلے
غیروں کے سامنے تو ٹک مجھ کو آبرو ہو

مفتی ہو یا کہ قاضی میری سی کب کہیں گے
جس وقت جھکتے ہیں وہ شوخ روبرو ہو

خنجر کا گھاٹ اس کے گہرا میں کیا بتاؤں
تو نیزے ہی سمجھیے جس وقت تا گلو ہو

دنیا کی خوبیوں سے کافی ہے بس بیاںؔ کو
ساقی ہو اور شاہد سبزہ ہو آب جو ہو

## ۹۰

لاتے ہو وقت نزع کے تشریف کاہیکو؟
اتنی بھی آپ کیجیے تکلیف کاہیکو؟

یارو! جو کچھ کہوں میں وہی اس سے تم کہو
اپنی طرف سے کرتے ہو تصنیف کاہیکو؟

چھوٹی زمانہ سازی سے کچھ فائدہ نہیں
اُلفت نہ ہو تو کیجیے تالیف کاہیکو؟

تاثیر کچھ دوا کو، نہ پرہیز ہو سکے
ہوتی ہے اس مریض کو تخفیف کاہیکو؟

اب اس کو بد کہے ہے بھلا سنیو اے بیاںؔ!
پہلے ہی اتنی کیجیے تعریف کاہیکو؟

## ۹۱

یارب! نہ ہند ہی میں یہ ماٹی خراب ہو
جا کر نجف میں خاکِ درِ بوتراب ہو

سایہ کرے وہ لطف سے، سایہ جسے نہ تھا
جس وقت روزِ حشر میں گرمِ آفتاب ہو

حاصل ہو اس نفس کو صفت مطمئنہ کی    بیش اس کو ارجعی کا ادھر سے خطاب ہو
جب چشم بستگی ہو مجھے اس جہان سے    آنکھوں کے سامنے وہی عالی جناب ہو

اے یار! یاں تو منہ نہ دکھایا کبھو ہمیں
ایسا نہ ہو کہ واں بھی بیاںؔ سے حجاب ہو

## ۹۲

کچھ سلطنت سے عیش ہمارے تئیں نہ ہو    اقلیم نام نیک جو زیر نگیں نہ ہو
کانوں سے ہے یہ آہ غریبانہ آشنا    کیجو خبر، مرا دلِ اندوہگیں نہ ہو
دامانِ کوہ تک ابھی پہنچے ہے سیلِ اشک    گر سدِ راہِ گریہ مری آستیں نہ ہو
حسرت پہ اس غریب کی ہر آن جائے رحم    باہیں پہ جس کی یار دمِ واپسیں نہ ہو

تعریف سے کسو کی بیاںؔ کو خوشی نہیں
جب تک کہ تیرے منہ سے اسے آفریں نہ ہو

## ۹۳

کہتا ہے کون ہجر مجھے صبح و شام ہو    پر وصل میں بھی لطف نہیں گر مدام ہو
شکوہ کیا ہو میرے لبِ زخم نے کبھو    تو مجھ پہ آبِ تیغ، الٰہی، حرام ہو
صاحب! تم اپنے منہ کو چھپاتے ہو مجھ سے کیوں؟    ہے اس سے کیا حجاب، جو اپنا غلام ہو؟
منہ لگنے سے رقیب کے اب سر چڑھے ہیں سب    گر ڈالے اس کو ذبح ابھی انتظام ہو

مت دردِ دل کو پوچھ بقولِ فغاںؔ بیاںؔ
"اک عمر چاہیے مرا قصہ تمام ہو"

## ۹۴

جب کہ سیرت نہ ہو، کب کھینچے گی صورت ہم کو    جا سے لے جائے گی کیا ماٹی کی مورت ہم کو

آئینے میں نہیں ہم شیشہ ساعت اے یار! اپنی تو جان، تہیں دل میں کدورت ہم کو

بس کہ اخلاص سے ہم کو ہے سروکار بیاںؔ
قل ہو اللہ کی بس یاد ہے صورت ہم کو

## ۹۵

کہا اغیار کا حق میں مرے منظور مت کیجو مجھے نزدیک سے اپنے کبھو تو دور مت کیجو
ہوئے سنگِ جفا سے شیشۂ دل کے کئی ٹکڑے بس اب اس سے زیادہ اور چکنا چور مت کیجو
مرے مرہم گذار اس شوخ بے پروا سے یہ کہیو کہ ظالم! زخم تازہ ہے اسے ناسور مت کیجو
حقارت اپنے عاشق کی نہیں معشوق کو بھاتی ق بیاںؔ سی اپنی رسوائی میں تا مقدور مت کیجو
کہا تھا ساربان کے کان میں لیلیٰ نے آہستہ
کہ مجنوں کی خرابی کا کہیں مذکور مت کیجو

---

آہ! وہ بے رحم کب پہنچے ہے میری داد کو جو کہ خوش ہوتا ہے سن کر نالہ و فریاد کو
الفتِ گل نے مجھے لا کر پھنسایا دام میں ورنہ کیا میں جانتا تھا خانہ صیاد کو؟

---

مجھے تو سب خبر پہنچی ہے کل کی شب جہاں تھا تو بھلا تو بھی تو کہہ لے شوخ! کیا گزرا؟ کہاں تھا تو؟
ابھی اس رہ سے ایسا ہی اک رشکِ پری گزرا خدا جانے کہاں اس وقت دیوانے بیاںؔ، تھا تو

---

آہ ہو یا نالۂ جانکاہ ہو کوئی طفلِ اشک کے ہمراہ ہو
کیوں کہ ٹھہرے اپنے گھر میں اس کا پا تو یار کے کوچے میں جس کو راہ ہو

---

میرے بھی گھر میں آئیے بارے کبھو کبھو جو روز جی نہ چاہئے تو پیارے کبھو کبھو

---

ھ

## ۹۶

گرمیِ نالے کی بھی دب گئی نفسِ سرد کے ساتھ
کام ڈالے نہ خدا مرد کو نامرد کے ساتھ

گرد باد اس کی گلی میں یہ چلا جاتا ہے
یا کوئی عاشقِ سرگشتہ ہے اس گرد کے ساتھ

گلِ بے خار بھی گلشن میں بہت تھے لیکن
لگ گیا بلبلِ شوریدہ کا دل ورد کے ساتھ

زرد روئی سے جہاں میں ہے بہت بے قدری
مگر عشاق کو ہے قدر رخِ زرد کے ساتھ

ہم سیہ کاروں سے کیا بحرِ کرم لیوے حساب؟
چاہے دفتر ہی کو دھو ڈالے وہ اک فرد کے ساتھ

اس سے ہم رنگ ہو مل بیٹھنے کو کیا خرگ سے کام
نرد ہوتی نہیں حک باندھتے ہیں جب نرد کے ساتھ

خانہ پرورد ے کو کیا تجربہ گھر ہی میں ہووے
پھرے جب تک نہ کسی مردِ جہاں گرد کے ساتھ

ہم نشیں! ہو مبہت حق ہے جو آجاوے وہ آپ (؟)
ورنہ بے لطف ہے مضموں کہ ہو آورد کے ساتھ

میں بھی چاہوں ہوں بیاں چین سے بیٹھوں لیکن
کیا کروں کام پڑا ہے کسی بے درد کے ساتھ

## ۹۷

ابھی سے دل کہیں اٹکا ہے کیا؟ اے نوجواں! سچ کہہ
ہماری طرح کیوں کرتا ہے یہ آہ و فغاں، سچ کہہ

کسی محرم کو ایسے وقت رکھنا ساتھ بہتر ہے
اکیلا رات کو چھپ چھپ کے جاتا ہے کہاں؟ سچ کہہ

کوئی حلقہ بگوش اپنوں سے، قرباں ہوں، چھپاتا ہے
کیا ہے کس نے تیرے تیر سے قد کو کماں؟ سچ کہہ

کمر کا تیغِ ابرو سے بھی کچھ خم اب زیادہ ہے
یہ بارِ عشق ہے کس کے پڑا اے نازک میاں! سچ کہہ

کہیں سے ہم بھی آخر سن رہیں گے، کیوں مکرتا ہے؟
تجھی سا ہے کوئی بے مہر یا ہے مہرباں! سچ کہہ

یہ دل کی دل میں رکھنا، کچھ نہ کہنا کیا قیامت ہے
نہیں کیا ہم پہ اتنا اعتماد اے بدگماں! سچ کہہ

بیاں یہ دوسرا بھی بوجھ اٹھا لینے کو حاضر ہے
گر اٹھ سکتا نہیں اب تجھ سے یہ بارِ گراں سچ کہہ

ہر چند ہے گل بہتر، گلزار بہت تحفہ　　دل اٹکے اگر اپنا تو خار بہت تحفہ
خود رائے ہمارے کو جو چیز پسند آوے　　گر بد ہو، ہمیں کہنا ناچار، بہت تحفہ
آگے ہی قیامت تھی اب اور اُٹھے فتنے　　قامت تو عجب تھی ہی رفتار بہت تحفہ
ہے چشم کے پہلو سے مژگاں کی صف آرائی　　اس فوج نے پایا ہے سردار بہت تحفہ
اس مجمع خوبی کو دل کیوں نہ بیاںؔ دیوے
اوضاع پسندیدہ، اطوار بہت تحفہ

---

کبھو بھلا تو اکیلے ہی مجھ سے ٹک مل دیکھ　　پیٹ کے میرے کلیجے سے خوب سا دل دیکھ
کیا ہے نیم نگاہی نے ایک عالم قتل　　کسے مجال کہ اتنا کہے کہ "قاتل دیکھ"
شگفتگی ہی سے اے غنچے! گل ہوا برباد　　اگر نہیں تجھے باور تو آج ہی کھل دیکھ

---

## ی

۹۹

آج آمد فی باغ میں ہے آہ کسی کی　　نرگس نہیں، تکتا ہے چمن راہ کسی کی
گلشن میں قیامت ہوئی جو سرو کو دیکھا　　یاد آگئی قامت مجھے ناگاہ کسی کی
کچھ کہیے تو کیا اس بت کافر کو خدایا　　پروا ہی نہیں ہے جسے، اللہ! کسی کی
بوسہ کبھو دیتے تھے پر اب قد جو نکالا　　جز عالم بالا نہیں تنخواہ کسی کی
گر شکر و شکایت ہے بیاںؔ کو تو تجھی سے
بیزاری کسی ساتھ، نہ ہے چاہ کسی کی

۱۰۰

سرکار دل میں عشق کا اب بندوبست ہے　　برخاست خرمی کی ہے غم کی نشست ہے

قیمت گہر کی گھٹتی ہے ٹوٹے سے، دل کی لیک
افزودہ قدر ہونے کا باعث شکست ہے

اس خاک داں میں آپ ہیں پابند ورنہ ہم
جرأت کریں تو عرش تلک ایک جست ہے

سرگرمِ نالہ مجھ کو نہ ہونے دے، اے فلک!
سقفِ بلند ایک ہی صدمے میں پست ہے

کچھ چشم اس کی چشم سے کمتی مجھ کو اے بیاںؔ
دیکھا تو اپنے حال میں آپ بھی وہ مست ہے

## ۱۰۱

چشمِ کرم کسو ہی سے اپنے تئیں نہیں رہی
رسمِ مروت اٹھ گئی، مہر کہیں نہیں رہی

حکم میں شہ کے ملک و مال ہوئے سو اس کا کیا ہے
خاتمِ فقر و تنگ تو اب زیرِ نگیں نہیں رہی

وصل کی شب کا ماجرا کیا کہوں تجھ سے، ہم نشیں!
شام سے لے کے صبح تک وہ ہی "نہیں نہیں" رہی

اس کے قدم کے نقش کا میں نے خیال کر بیاںؔ
سجدہ جہاں کیا نہ ہو ایسی زمیں نہیں رہی

## ۱۰۲

کس کی یہ تیغ کا خاطر میں مرے مضموں ہے؟
تا زباں پر سخن آیا کہ دہن پر خوں ہے

حضرتِ آدم سے مری طبع کو نسبت ہے صحیح
اپنا منظورِ نظر بھی کوئی گندم گوں ہے

ایک شب میری کہانی کو سنا ہے جس نے
روز پوچھے ہے کہ افسانہ ہے یا افسوں ہے

کوئی جز قیس دوانا نہ ہوا لیلیٰ کا
میں ترے عہد میں دیکھوں جسے، مجنوں ہے

ایک بس تیری جدائی ہی سے شاکی ہے بیاںؔ
اور اگر سر بھی جدا کیجے تو وہ ممنوں ہے

## ۱۰۳

رات اس تنگ مزاج سے کچھ بات بڑھ گئی
وہ روٹھ کر گیا تو غضب رات بڑھ گئی

یہ کہیو، ہم نشیں مجھے کیا کیا نہ کہہ گئے / میں گھٹ گیا نہ آپ کی کچھ ذات بڑھ گئی

بوسے کے نام پر ہی لگے کاٹنے زباں / کتنی عمل سے آگے مکافات بڑھ گئی

چشموں سے میرے شہر میں طوفان گریہ ہے / نادان جانتے ہیں کہ برسات بڑھ گئی

سمجھا تھا بس کمر ہی تلک زلف کا کمال / وہ پانو سے بھی آگے کوئی ہات بڑھ گئی

اغیار سے نہیں ہے سروکار یار کو / میرے برغم ان سے عنایات بڑھ گئی

بے طوریوں سے اس کی بیاںؔ میں تو کھنچ رہا
غیروں کی اس کے ساتھ ملاقات بڑھ گئی

## ۱۰۴

وہ چمن سنبل و ریحاں کا جہاں ہاٹ لگے / آج یہ دن ہے کہ جولائی لگے ہاٹ لگے

جنس و ناجنس کو پیوند بہم ہو کیوں کر / زیب دیتا نہیں قالین سے اگر ٹاٹ لگے

دو ہی کر دیتی ہے دل، یہ تری ابرو کی کجی / نہ سروہی کا نہ تیغے کا اسے کاٹ لگے

اپنی ہی آہِ رسا پر یہ بھروسا ہے بیاںؔ
چرخ جھک جائے تو اس چھت کو بھی ٹاٹ لگے

## ۱۰۵

اک بے گنہ کو مارا کچھ بھی خدا کا ڈر ہے؟ / بے رحم! یہ دلیری! کیا دل ہے، کیا جگر ہے!

کس واسطے شتابی جانے کی اس قدر ہے؟ / گو شام ہو رہے صاحب! یہ بھی تو اپنا گھر ہے

شیشے کو اپنے دل کے جب کر دیا حوالے / اتنا نہ جانتے تھے تو مست و بے خبر ہے

اب اس کو توڑ کر تو کہتا ہے "اور بھی ہے؟" / سینہ مگر ہمارا دوکانِ شیشہ گر ہے

اغیار تک تو روئے احوال پر بیاںؔ کے
تو نے کبھو نہ پوچھا "کیسا ہے؟ کیا خبر ہے؟"

## ۱۰۶

مت آئیو اے وعدہ فراموش! تو اب بھی / جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی

کچھ رحم ہی دنیا سے نرالا نہیں اس کا — دیکھا نہیں اس لطف کا یا اللہ غضب بھی
شوخی سے تری خوش ہوں میں ہر چند ولیکن — لازم ہے کسی وقت مری جان! ادب بھی
آخر تو شکایت سے مجھے منع کیا ہے — سی دیجیے ٹک ہاتھ سے اپنے مرے لب بھی
اب ہجر میں کہتا ہے کہ تھا وصل میں آرام
نالاں ہی بیاںؔ میں نے تو دیکھا تجھے جب بھی

## ۱۰۷

رخصت ہے عقل و ہوش کو جائے جہاں رہے — اے ساکنانِ کوے بتاں! ہم تو یاں رہے
کیا دیکھتے ہو دل کو مرے تم الٹ پلٹ — آیا ہے جو پسند تو، اے مہرباں! رہے
یارب کبھو ہوں معنی بھی کچھ اس کے منکشف — کب تک سبق یہ گریے کا مجھ کو رواں رہے
ناز آئنے کو دیکھ کے کیجے تو خوب ہے — گر مان کیجیے منھ پہ تو کیا مہرباں رہے
فرہاد و قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت
اب کونسی جگہ ہے کہ جس میں بیاںؔ رہے

## ۱۰۸

کوئی ایسا جہاں میں نکلے — کہ درست امتحاں میں نکلے
سو برس میں نہ نکلے دل کی خلش — اور نکلے تو آن میں نکلے
کچھ یہ لازم نہیں کہ جنسِ عزیز — ق مصر ہی کی دکان میں نکلے
گر کوئی ہووے مستعد پورا — یوسف اس کارواں میں نکلے
یہ بیاںؔ ریختے کی میرے زباں
نہ زمیں آسماں میں نکلے

## ۱۰۹

شمشیرِ ہجر ہی سے کرتا ہے یار ٹکڑے — ہوتا حضور اے کاش! یہ جان نثار ٹکڑے

ظالم! مجھے ندامت، غمزے کی تیغ سے تو
ہر چند ہو رہا ہوں میں دل فگار ٹکڑے

پیوند کر کے پھر بھی سینہ پہ سر کروں گا
ہوں گے مرے جگر کے گر لاکھ بار ٹکڑے

صحرا نوردی اپنی اس مرتبے کو پہنچی
اب میرے آبلوں سے ہوتے ہیں خار ٹکڑے

ساقی ہی شاید آ کر توڑے خمار کا سر
کرتا ہے اب تو میرے سر کو خمار ٹکڑے

قاروں کے گنج سے بھی سمجھے ہے کچھ زیادہ
جھولی میں جب گدا کی ہوتے ہیں چار ٹکڑے

شیشہ ہمارے دل کا کس طاق سے گرا ہے
اے ہم نشیں! ہوئے ہیں کیا بے شمار ٹکڑے

ناصح! عبث کرے ہے تیں فکر اب رفو کا
ہیں جیب کا کیا ہے ہر ایک تار ٹکڑے

شرح شکستہ حالی کیوں کر بیاں کروں میں
خاطر کے لاکھ پرزے، دل کے ہزار ٹکڑے

## ۱۱۰

رسوا نہ کر، خدا سے ڈر، اے چشم تر! مجھے
آتا ہے اس کی بزم میں بارِ دگر مجھے

میں سست گام، قافلۂ عمر تیز رو
تنہا نہ چھوڑ جائیں کہیں ہم سفر مجھے

آیا ہوں اس گلی سے، ابھی دم نہیں لیا
پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی ادھر مجھے

ساقی! تری نگاہ کے صدقے میں ایک بار
دونوں جہاں کی فکر سے کر بے خبر مجھے

جتنا ستم کرے وہ اٹھاؤں گا میں بیاں
دل کے عوض بھی حق نے دیا ہے جگر مجھے

## ۱۱۱

جادو تھی، سحر تھی یا بلا تھی؟
ظالم! یہ تری نگاہ کیا تھی؟

کیدھر ہے، کہاں ہے خوش دلی تو؟
ہم سے بھی کبھو تو آشنا تھی

شیریں بھی تجھی سی تھی ستم گر
لیلیٰ بھی اگرچہ بے وفا تھی

فرہاد پہ اس قدر نہ تھا ظلم
مجنوں پہ نہ یہ غضب جفا تھی

مارا ہے بیاں کو جس نے، اے شوخ!
کیا جانیے کونسی ادا تھی

## ۱۱۲

جا کہے کوئے یار میں کوئی　　مر گیا انتظار میں کوئی

چھوڑ سو کام آ پہنچ ساقی!　　جاں بلب ہے خمار میں کوئی

وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا　　سر رکھے اس کنار میں کوئی

مت گزر خاک پر شہیدوں کی　　چھین لے ٹک مزار میں کوئی

کیوں بیاں سیرِ باغ کی رخصت
نہیں دیتا بہار میں کوئی

## ۱۱۳

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے　　لیکن اس کا نباہ مشکل ہے

ترکِ مشکل، نباہ مشکل ہے　　سخت کافر یہ چاہ مشکل ہے

صلح اور جنگ تجھ کو سب آساں　　مجھ کو ہر طرح آہ مشکل ہے

حال میرا نہ پوچھ عشق میں تو　　گاہ آساں، گاہ مشکل ہے

بس کہ کج فہم تاکتے ہیں بیاں
اس پہ سیدھی نگاہ مشکل ہے

## ۱۱۴

تیغ چڑھ اس کی سان پر آئی　　دیکھیں کس کس کی جان پر آئی

ہم بھی حاضر ہیں کھینچیے شمشیر　　طبع گر امتحان پر آئی

تنگ شکایت کی اب اجازت ہو　　نہیں رکتی زبان پر آئی

پوچھیے حالِ زار یہ نہ کبھو　　دلِ نامہربان پر آئی

دل ہمارا کہ گھر یہ تیرا تھا　　کیوں شکست اس مکان پر آئی

کٹ گئی دود مانِ تاک کی ناک　　دخترِ رز جب دکان پر آئی

ٹک تو ظالم سنبھال خنجر کیں — کارد اب استخواں پر آئی
عالمِ جاں سے تو نہیں آیا — ایک آفت جہان پر آئی
غیر کے آگے دل کی بات بیاں
آہ میری زبان پر آئی

## ۱۱۵

کوئی سمجھائیو یارو! مرا محبوب جاتا ہے — مرا مقصود جاتا ہے، مرا مطلوب جاتا ہے
"مبارک ماہِ کنعاں، اے زلیخا! چشم ما روشن" — بس اتنی بات کہنے مصر میں یعقوب جاتا ہے
دعا کہہ کر چلا بندہ سلام آ کر کرے گا پھر — خط آوے جب تلک تو بندگی کر خوب جاتا ہے
ہنر اپنے کیے ظاہر اگر تجھ کو نہیں بھاتے — تو اب سو عیب کا قائل ہو، یہ معیوب جاتا ہے
بیاں جب میں بیاں کرتا ہوں یہ مضموں مضموں کا
"کبھو آنکھیں بھر آتی ہیں، کبھو جی ڈوب جاتا ہے"

## ۱۱۶

جرم کیا مجھ سے ہوا؟ وجہِ غضب فرمائیے — یوں بھی میں حاضر ہوں، غصہ بے سبب فرمائیے
جاں فدا اپنی کریں، ہم وے ہیں، جب فرمائیے — امتحاں منظور اگر ہووے تو اب فرمائیے
بندۂ فرماں ہیں ہم جو حکم ہو وہ ہی کہیں — صبح کہیے شام کو یا دن کو شب فرمائیے
ایک بوسے کی طلب تو کی ہے گاہے زیرِ لب — با ادب کہیے مجھے یا بے ادب فرمائیے
جا و بیجا رات دن اتنا جو بکتا ہے بیاں
آپ بھی آہستہ کچھ تو زیرِ لب فرمائیے

## ۱۱۷

چلتے چلتے میری حسرت پر نظر کرنی تو تھی — ساتھ لے جانے سے میں گزرا، خبر کرنی تو تھی
جو گلے لگ لگ کے رونا شان کے لائق نہ تھا — دور ہی رہ کر کھڑے ٹک چشمِ تر کرنی تو تھی

گر نہ تھی رخصت کی فرصت جا کے کچھ کہہ بھیجتے — خاطر اس ناشاد کی، شاد اس قدر کرنی تو تھی

گر نہ تھا ہنس بولنے کا ڈھب تو اے کانِ حیا! — مسکرا کر ہی نگاہِ لطف ادھر کرنی تو تھی

اے محبت! یہ شکایت تجھ سے رکھتا ہے بیاںؔ

بارے کچھ تاثیر واں اے بے اثر کرنی تو تھی

۱۱۸

جس کو برا سمجھیے وہ ہی کہیں بھلا ہے — اک جا ہے زہرِ قاتل اور ایک جا دوا ہے

مہتاب کا دوانا کیوں اے قمر ہوا ہے؟ — اے یار! فی الحقیقت تیرا ہی پرتوا ہے

سو کوس یا بغل میں، ہیں جس جگہ کہ بیٹھے — وہ پاس ہی ہیں جن کا آپس میں دل ملا ہے

سایے کی طرح میں بھی پھرتا ہوں ساتھ اس کے — وہ آفتابِ تاباں ہر چند بھاگتا ہے

بیگانگی بیاںؔ سے کیا بے مروتی ہے

دونوں جہاں میں اس کا اک تو ہی آشنا ہے

۱۱۹

اے کہ تیری دوستی مجھ کو بجائے جان ہے — جز کہوں ایمان کا یا کل یہی ایمان ہے

اس نگہ کے ہاتھ میں کس طرح کا چوگان ہے — سامنے آیا کہ بس مانندِ گو غلطان ہے

صف کی صف مجلس کی مجلس فرش کر دیتے ہیں — دیریاں لگتی نہ دیکھی ہم نے بس اک آن ہے

دولتِ دیدار گھر بیٹھے یہاں روزی ہوئی — ایسی عیدِ فطر پر عید الضحیٰ قربان ہے

وہ کہ جس پر مال و جاں، ہے آرزو کیجے نثار — آج میرے کلبۂ احزاں میں وہ مہمان ہے

عقل و دین و دل ہوئے آنے سے پہلے ہی تمام

دست و پا گم ہو گئے ہیں اب بیاںؔ حیران ہے

۱۲۰

پیش کش کیا کیجیے اور لائیے کیا رو برو — مال تو کیا مال ہے اور جان میں کیا جان ہے

شکرِ مقدم کے تو عہدے سے نکل سکتا نہیں
ہر قدم تیرے کا احسن بندۂ احسان ہے

اے کہ ملکِ شرع و دیں کا فخر تیری ذات سے
شاہ ابن شاہ تو سلطان بن سلطان ہے

ہاتھ پکڑا ہے تو یہ بھی عرض میری ہو قبول
مجھ کو مشکل ہے ترے نزدیک سب آسان ہے

یہ صفاتیں زندگی میں مجھ سے زائل ہوں تمام
یہ کہ جن میں دخل دیوِ نفس اور شیطان ہے

مطلق آثار اپنی ہستی کے نہ کچھ باقی رہیں
ذات ہی رہ جائے باقی بس یہی ارمان ہے

## ۱۲۱

عشوہ ہے، ناز ہے غمزہ ہے ادا ہے کیا ہے؟
قہر ہے سحر ہے جادو ہے بلا ہے کیا ہے؟

یار سے میری جو کرتے ہیں سفارش اغیار
مکر ہے، عذر ہے، قالب ہے، دغا ہے کیا ہے؟

تجھ کو کس نام سے، اے فخر مرے یاد کروں
باپ ہے، پیر ہے، مرشد ہے، خدا ہے کیا ہے؟

تم جو بے وجہ ستاتے ہو، مری جان! مجھے
خوب ہے، نیک ہے، بہتر ہے بھلا ہے کیا ہے؟

رو برو اس کے کبھو بات نہ سدھری ہم سے
حلم ہے، چین ہے، دہشت ہے حیا ہے کیا ہے؟

نظم کو سن کے مری ہنس کے یہ بولا وہ شوخ
مدح ہے، شکر ہے، شکوہ ہے، گلا ہے کیا ہے؟

یہ جو اس شوخ پہ کرتا ہے بیاں، جان نثار
خبط ہے، عشق ہے، سودا ہے وفا ہے کیا ہے؟

## ۱۲۲

ستم سے یار کے رستا ہے اے دل! آہ کیا کیجے
کسی بے درد کو اس درد سے آگاہ کیا کیجے

زلیخا جب بتنگ آ آتی تھی بدگویوں کے طعنوں سے
یہ کہتی تھی، "عزیزو! باولی ہے چاہ کیا کیجے

کیا سو بار ہم نے دخل جا کر دیر و کعبے میں
وے ملتی نہیں اس بت کے دل میں راہ کیا کیجے

ہوا میں ناتواں تنکے سے کچھ کم، آہ اس پر بھی
نہ کھینچے کہربا میرا اگر یہ کاہ کیا کیجے

بیاں سے جب میں کہتا ہوں کہ "تیرا یار بدخو ہے"
جواب اس کا مجھے دیتا ہے بھر کر آہ "کیا کیجے"

## ۱۲۳

جہاں روؤں تمنا میں تری، اے شعلہ رو! پیارے — اگیں اس کل زمیں میں حشر تک جوں لالہ انگارے

قمارِ عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے — اسے کہتے ہیں جیتا جو کوئی یاں نقدِ جاں ہارے

بغل میں یار اور میں فرشِ گل پر خواب کرتا تھا — بچھائے جاگ پڑنے نے مرے بستر پہ انگارے

نہ پوچھ اے مہ! اکیونکر ہجر کی راتیں کٹیں تجھ بن — کبھو سوتے کبھو روتے، کبھو گنتے ہوئے تارے

بیاںؔ! اس ریختے پر تو کہیں جوں میرؔ مت کہنا
"یہ گو ہے اور یہ میداں، کوئی تو کہہ سکے بارے"

## ۱۲۴

نہ برسوں میں پوچھے تغافل کے صدقے — سدا نام بھولے تجاہل کے صدقے

ابھی وعدہ کر کر لگا سوچنے تو — نہیں یاد گویا، تامل کے صدقے

جلو میں پھریں ہیں پری زاد لڑکے — دوانے ترے اس تجمل کے صدقے

تصور میں اس زلف و گیسو کے اکثر — ق — جو ہوتا تھا ریحان و سنبل کے صدقے

مقابل جب آنکھوں کے یہ چہرہ دیکھے — نہ ہو کیونکہ اس زلف و کاکل کے صدقے

بیاںؔ مجھ کو بھایا یہ مصرع کسی کا
"سدا نام بھولے، تجاہل کے صدقے"

## ۱۲۵

خنک ہے بوالہوسوں کی یہ سانس ٹھنڈی سی — نہ سیج گرم چبھے ہے نہ پھانس ٹھنڈی سی

سمجھتے ہیں کہ ہوا گرم ہم سے بزمِ سخن — پڑھیں ہیں بیت اگر کھانس کھانس ٹھنڈی سی

جگر جلے پہ طباشیر ہی چھڑکتے ہیں — سدا رکھے ہے عجب ہی یہ بانس ٹھنڈی سی

غریبِ شہر کو گرمی میں ہے وہ خس خانہ — جو مٹھی بھر کہیں سر پہ ہو گھاس ٹھنڈی سی

کوئی میں برف کی مانند اس زمیں میں بزور
جگت بھرے ہے بیاںؔ ٹھانس ٹھنڈی سی

۱۲۶

جو گل کی قفس میں خبر جائے گی — تو کیا سُن کے بلبل نہ مرجائے گی؟

نہیں آہ کرنا میں، اے ہم نشیں! — جو کیجے تو کیا بے اثر جائے گی

سلگتی ہے آگ ایک مدت سے یاں — اس آتش کی گرمی کدھر جائے گی؟

بیاں کا یہ پیغام لے جائیو — صبا اس کے کوچے میں گر جائے گی

جو ہم بن تمہاری گزرتی ہے خوش
ہماری بھی تم بن گزر جائے گی

۱۲۷

میں جانتا تھا وصل کی شب بھی دراز ہے — آنکھیں جو کھل گئیں تو درِ صبح باز ہے

سنتا ہے یار! قیمتِ دل تجھ سے کیا کہوں — آیا ہے جو پسند تو یوں ہی نیاز ہے

بیچارے شیخ مست پڑے ہیں سجود میں — اس مسجد حرام میں اوندھی نماز ہے

غیروں کے ساتھ مجھ کو ملاتا ہے تو عبث — ان میں نہ گنیے کچھ بھی اگر امتیاز ہے

ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کچھ بیاں
ناامید بھی نہ ہو کہ خدا کارساز ہے

۱۲۸

میری محنت پہ تیں نگاہ نہ کی — کبھو جھوٹی بھی واہ واہ نہ کی

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ — دل میں اس شوخ کے تو راہ نہ کی

اسی امید و بیم میں گزری — گاہ کی ان نے مہر گاہ نہ کی

بازپس سے چلا ہوں جنسِ وفا — شہرِ خوباں میں اس کی چاہ نہ کی

آفریں صبر کو بیاں تیرے
مر گیا ضبط سے پر آہ نہ کی

### ۱۲۹

بتِ خود کام چلا جاتا ہے — صبر و آرام چلا جاتا ہے

کس کے مکھڑے سے خجل ہو خورشید — سرنگوں شام چلا جاتا ہے

عملِ نیک سدا رہتا ہے — جم نہیں جام چلا جاتا ہے

ہے کدھر قیس؟ کہاں ہے فرہاد؟ — عشق سے نام چلا جاتا ہے

جب کہ بوسے کی طلب کرتا ہوں — دے کے دشنام چلا جاتا ہے

کھائیے غیر کے طالع کی قسم — روز پیغام چلا جاتا ہے

عشق میں صبر کی دولت سے بیاں
بارے کچھ کام چلا جاتا ہے

### ۱۳۰

وقت آخر ہے مرا، گو مجھ سے تو بیزار ہے — ایک بار اتنا تو آکر پوچھ کیا آزار ہے

گو حصارِ عقل مستحکم سہی خیبر سے وے — عشق کہتے ہیں جسے وہ حیدرِ کرار ہے

ہے نپٹ کفرانِ نعمت اب تو شکوہ چرخ کا — یار کا کوچہ ہے، سر پر سایۂ دیوار ہے

زخم دل کے حق میں سبزی اس کے خط کی کیا کہوں — گرچہ مرہم ہے ولیکن مرہمِ زنگار ہے

آستیں دونوں جہاں کی جھاڑنی آساں ہے یک — یار کے دامن کو دینا ہاتھ سے دشوار ہے

اس دلِ وحشی کو نادانی سے سودائی نہ کہہ — ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

کفر گر موقوف اک تاگے پہ ہے تو شیخ جی — آپ کی تسبیح میں بھی باطناً زنار ہے

آج ہی ہوتی قیامت مجھ کو آتی ہے نظر — گر یہی قامت ہے اس کی اور یہی رفتار ہے

یار حاضر ہے بیاں اور مدعی ناظر نہیں
اب حیا کم بخت ناحق مانعِ دیدار ہے

### ۱۳۱

سر کو تجھ راہ میں دیے ہی بنے — فرض ہے یہ، ادا کیے ہی بنے

ہم تو دو جام پی کے بگڑے ہیں    شیخ جی! تم تو بن پیے ہی بنے
جام اگر دیوے ساقیِ مہوش    پارساؤں کو بھی لیے ہی بنے
داغ دل کے لگے نظر آنے    اب گریباں مجھے سیے ہی بنے

یار خوگر ہوا جفا سے بیاںؔ
مجھ بلاکش کو اب جیے ہی بنے

## ۱۳۲

نہ ہوں آنکھیں بھی واقف اس طرح کی چاہ کے صدقے    کسی کے کان تک پہنچے نہ ایسی آہ کے صدقے
فلک کے گردش دوراں سے ظاہر ہے کہ پیغمبر    گیا معراج کو، جاتا ہے یہ اس راہ کے صدقے
جب اچھی صورتیں دیکھو مصوّر یاد آتا ہے    یہ بت پیدا کیے جن نے میں اس اللہ کے صدقے
عبث ان جھوٹے وعدوں میں خدا کا نام لیتے ہو    میں اس "واللہ" کے قربان اور اس "باللہ" کے صدقے

نہ کچھ تدبیر جینے کی، نہ کچھ اندیشہ مرنے کا
بیاںؔ موت و حیاتِ مردمِ آگاہ کے صدقے

## ۱۳۳

مجھے غم سے اس واسطے پیار ہے    کہ میرے برے وقت کا یار ہے
کہاں یاں سے لے جاؤں میں جنسِ دل    جہاں ہے تجھی سا خریدار ہے
مری ناؤ پہنچی ہے آ منجدھار    تری اک توجہ سے بس پار ہے
مرے یار سے کوئی اتنا کہو    ق    کہ ظالم! بیاںؔ سخت بیمار ہے

خبر لے شتابی کہ مرتا ہے اب
پھر آوے نہ آوے وہ مختار ہے

## ۱۳۴

بہار آئی ہے، اے ناصح! ہمیں بے باک رہنے دے    ہمارے طور پر ہم کو گریباں چاک رہنے دے

زمیں پر اس کے کوچے کی کریں ہم خوب آسائش
کوئی دن چین سے جو گردشِ افلاک رہنے دے

ہزاروں قصرِ جنت کے برابر میں سمجھتا ہوں
اگر گردونِ دوں آسودہ زیرِ خاک رہنے دے

فرشتوں کی عبادت کا مصلّیٰ ہے مرا دامن
اگر آلودگیِ دنیا کی اس کو پاک رہنے دے

کبھو ناخوش نہ رکھتا تھا بیاںؔ کے دل کو اے ظالم
تجھے کس نے سکھایا اس قدر غمناک رہنے دے

## ۱۳۵

جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کریے
آغاز اگر کھویا انجام تو کچھ کریے

روزانہ رہے غافل، پچھتانے سے کیا حاصل
گو صبح سے تھے غافل اب شام تو کچھ کریے

یا ہو جیسے افلاطوں یا عقل کو کھو مجنوں
دنیا میں بہرِ مضموں اک نام تو کچھ کریے

آیا وہ مہِ تاباں، جاں ہم نے کری قرباں
جب آوے کوئی مہماں اکرام تو کچھ کریے

آخر یہ بیاںؔ کب تک بیہودہ زرا کیجیے
جس واسطے آئے ہیں وہ کام تو کچھ کریے

## ۱۳۶

وفا تیرے وعدوں میں اے واہ دیکھی
بس اب صبر کب تک بہت راہ دیکھی

تری ہم نے تاثیر، اے آہ! دیکھی
نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

تجھے جنسِ اُنس، اے صنم! کیونکہ کہیے
یہ سنگیں دلی ہم نے اللہ دیکھی

خدا جانے آنکھوں نے کیا تجھ میں دیکھا
کوئی بات میں تو نہ دل خواہ دیکھی

پس از سالہا بھی کسو دن نہ پوچھا
تری مہر بس میں نے، اے ماہ! دیکھی

بیاںؔ دعویِ عشق اور شکوہ کرنا
وفا کا ہوا امتحاں چاہ دیکھی

## ۱۲۷

آنسوؤں تک پونچھنے کی غیر کے تدبیر ہے — مجھ سے اتنا بھی نہیں کہتا کہ "کیوں دل گیر ہے؟"

کون، یارب، آج گلشن سے چلا ہے بے دماغ؟ — گل گریباں پھاڑتا ہے، خار دامن گیر ہے

ذبح کرتا ہے مجھے قاتل، شفاعت اک طرف — کوئی اتنا بھی نہیں کہتا کہ "بے تقصیر ہے"

آج کل میں دیکھ لیتا ہوں تری سنگیں دلی — آہ میں میری اگر اے یار! کچھ تاثیر ہے

چرخ کی برہم زنی سے یہ تعجب ہے بیاں
لیلیٰ اور مجنوں کی یکجا اب تلک تصویر ہے

## ۱۲۸

اپنے نہ دامن میں گھر چاہیے — اشک کے قطروں میں اثر چاہیے

پائے طلب کھینچ کے بیٹھوں کہاں — خانہ نشینی کو بھی گھر چاہیے

دام میں جو شخص کہ اپنے پھنسے — اس کی کبھی لینی خبر چاہیے

دل تجھے جیسا کہ خدا نے دیا — مجھ کو بھی ویسا ہی جگر چاہیے

بس ہے بیاں حسرتِ دیدار اور
کیا تجھے اب خاک بسر چاہیے

## ۱۲۹

شبِ فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے — یہی ہے صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہے

جو اہلِ دل ہو تو ہو عشقِ شمع کے صدقے — تی کہ ہجر صبح میں ہر رات جی جلاتی ہے

پھر آپ یہ نہیں رہتی ہے محو ہوتی ہے — نقاب چہرے سے اپنے وہ جب اٹھاتی ہے

میں سچ کہوں تری کافر ادا نے مارا ہے — وگرنہ وضع تری، یار! کس کو بھاتی ہے

کیا ہے عجز نے میرے بیاں اے مغرور
مری وفا اسے جور و جفا سکھاتی ہے

## ۱۴۰

بار بار اس امر کی تحریک کیا، اے دل! مجھے
جز پشیمانی نہیں جس کام کا حاصل مجھے

قطع کرنا رشتۂ الفت کا، اے پیماں گسل!
ہے بہت آساں ترے نزدیک پر مشکل مجھے

بحرِ غم میں دست و پا ماروں ہوں پر اے آشنا!
سیکڑوں کوسوں نظر آتا نہیں ساحل مجھے

لے کے اس کوچے سے جاتا ہوں دلِ بیمار کو
ہر قدم پر آہ اب کرنی پڑی منزل مجھے

کون غیر از ناامیدی اب مری لے گا خبر
نیم بسمل چھوڑ کر جاتا ہے، اے قاتل! مجھے

کیا کہوں میں اپنے استعداد کی خوبی بیاںؔ
ناقصی کے فن میں جس نے کر دیا کامل مجھے

## ۱۴۱

زلف تیری نے پریشان کیا، یار! مجھے
تیری آنکھوں نے کیا آپ سا بیمار مجھے

دل بجھا جائے ہے اغیار کی شورش پہ مرا
سرد کرتی ہے تری گرمیِ بازار مجھے

عقل ہی موجبِ تکلیف ہوئی ہے ناداں
کر گئی بے خبری آ کے خبردار مجھے

تخت اور چتر سلاطین کو مبارک ہووے
بس ہے کوچے میں ترے سایۂ دیوار مجھے

جوں مثال اس کی نمودار ہوئی، توں ہی بیاںؔ
طپشِ دل نے کیا خواب سے بیدار مجھے

## ۱۴۲

کہیو قاصد! بتِ خودکام سے، پھر صبح ہوئی
آج بھی جھوٹے ہی پیغام سے پھر صبح ہوئی

رات جھنجھلا کے جب آنے کی توقع نہ رکھی
آہ مت پوچھ کس آرام سے پھر صبح ہوئی

اے صبا! یاد رہے منتظروں کا یہ پیام
کہیو اس میرے بھی گلفام سے پھر صبح ہوئی

سخت جانی کو میں اپنی تجھے کیا خاک لکھوں
تیری دوری میں مجھے شام سے پھر صبح ہوئی

دل میں باندھا کیا دن نکلے پہ آنے کا خیال
شب مجھے اس طمعِ خام سے پھر صبح ہوئی

شب نہیں اب کہ ترا بانگ پہ کاٹیں کے گلا　　سر اٹھا مرغِ سحر دام سے پھر صبح ہوئی

رات دن ساغر و مینا ہی سے صحبت ہے مدام　　شیشے سے شام ہوئی جام سے پھر صبح ہوئی

ابھی آیا ہے سرِ شام وہ مہ رو ہے غضب　　دیکھنا کوئی لبِ بام سے پھر صبح ہوئی

بعد مدت کے شبِ وصل ہوئی تھی روزی　　ہم نشیں گردشِ ایام سے پھر صبح ہوئی

رات دن اپنی تمنا ہی میں ہم خوش ہیں بیاںؔ
صبح سے شام ہوئی شام سے پھر صبح ہوئی

## ۱۴۳

ہاتھ لگ جانے سے خاطر تری دلگیر تو ہوئی　　زلف الجھی تھی، میں سلجھا دیا، تقصیر تو ہوئی

آج آہِ سحری کی اسے تاثیر تو ہوئی　　کچھ موافق مری تدبیر سے تقدیر تو ہوئی

غیر تسلیم نہ تھا شانِ ادب کے لائق　　منہ پہ کچھ عرض کیا مجھ سے یہ تقریر تو ہوئی

نام پر بوسے کے دشنام تو دی، روٹھے کیوں　　میری گستاخی کے لائق مجھے تعزیر تو ہوئی

زلف و کاکل کی نہ بے وجہ یہ سرگوشی تھی　　دلِ وحشی کے لیے قید کی تدبیر تو ہوئی

کس سے پیغام بر اپنے کی خبر کو پوچھوں؟　　دل دھڑکتا ہے خدا خیر کرے دیر تو ہوئی

یہ مرا صدقِ مودت کبھی کھلے گا آخر　　آج اغیار کی ثابت اسے تزویر تو ہوئی

عشق میں گرچہ میں رسوائی چھپائی لیکن　　اک منادی ہی فقط باقی ہے تشہیر تو ہوئی

دل میں اس کے مجھے جا گہ ہوئی رسوائی سے　　خلق کی نظروں میں ہر چند کہ تحقیر تو ہوئی

درِ رحمت سے خدایا مجھے محروم نہ پھیر　　بندۂ پیر ہوں کمک آنے میں تاخیر تو ہوئی

دل کبھی پہلو تہی اب مجھ سے بیاںؔ کرتا ہے
صحبتِ یار کی اتنی اسے تاثیر تو ہوئی

## ۱۴۴

پیش از خزاں ہی ہاتھ اٹھایا بہار سے　　چھوڑا ہے میں شراب کو پہلے خمار سے

جوں شیشۂ شکستہ دتاکِ بریدہ، میں — عاجز ہوں اپنے گریۂ بے اختیار سے
یہ اس سیاہ چشم سے جاکر کوئی کہے — آنکھیں بھی اب سفید ہوئیں انتظار سے
خوں ریزیوں کی مشق ہوئی ہے مگر شروع — کچھ ان دنوں میں ذوق بہت ہے شکار سے
باغِ جہاں کی سیر گئی صبح میں نے کی — پر کام ایک سے نہ رکھا اُنے ہزار سے
پھاڑا نہ ایک گل کے گریباں کو جوں صبا — اٹکا دیا نہ اپنے بھی دامن کو خار سے

اشعارِ تر کا مرتبہ دوں ہے گر بیاں
تشبیہ ان کو دے گہرِ آبدار سے

۱۴۵

کھو یو کان باغ میں گل کے — کہ ہے گل چیں سراغ میں گل کے
پانی یہ باغباں نہیں دیتا — تیل دے ہے چراغ میں گل کے
کیا کہوں ان لبوں کی کیفیت — مے ہے گویا ایاغ میں گل کے
اے خزاں! گر ہے خاطرِ بلبل — مت خلل کر فراغ میں گل کے

کس کی آمد ہے باغ میں کہ بیاں
تازگی ہے دماغ میں گل کے

۱۴۶

جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہے — وگرنہ بات کا تیری جواب آتا ہے
"کیا ہے چوک مرا گھر" یہ کس سے کہتے ہو؟ — کبھو کبھو یہی خانہ خراب آتا ہے
ہمیں بھی یاد ہے جیسی کہ کی ہے تم سے وفا — تمھیں کو اپنے کرم کا حساب آتا ہے؟
نہ دل بچا ہے نہ دیں، کیا نیاز کیجیے گا؟ — سنا ہے میں نے وہ خانی جناب آتا ہے

وہ مستِ بادۂ حسن اس طرح بہکے ہے بیاں
کہ تو کہے کوئی مستِ شراب آتا ہے

## ۱۴۷

جس کا نیکی میں نام باجے ہے — اس کی نوبت مدام باجے ہے
کوسِ رحلت کو آہ بے خبری — ہم نے سمجھا مقام باجے ہے
شہرِ دل پر چڑھی ہے عشق کی فوج — آج کل صبح و شام باجے ہے
سارے دکھن میں گھر بہ گھر نوبت — تیری دولت نظام باجے ہے

کبھی نوبت بیاں کی بھی پہنچے
وہ بھی تیرا غلام باجے ہے

## ۱۴۸

دل کو دیوانہ کیا زلفِ پری زادوں نے — مرغِ وحشی کو لیا دام میں صیادوں نے
تجھ میں اے سروِ رواں! کیا ہے کہ منہ دیکھتے ہی — بندگی کا تری خط لکھ دیا آزادوں نے
جوئے شیر ایک بھی فرہاد سے آئی نہ تمام — ندیاں خوں کی بہائیں ترے فرہادوں نے
ایسے قاتل کہیں دنیا میں نہ دیکھے نہ سنے — ہاتھ کو چوم لیا آن کے جلادوں نے
صبح کو اٹھ کے کیا اور ستم اس نے زیادہ — کچھ بھی تاثیر نہ کی رات کی فریادوں نے
ہچکیاں بے سبب آتیں نہیں اے جانِ جہاں! — دل میں یہ تیرے ہجوم آ کے کیا یادوں نے
عیش کیا چیز ہے؟ آرام کسے کہتے ہیں؟ — خواب میں بھی نہیں دیکھا ترے ناشادوں نے
بال و پر توڑ دیے جب لگے کرنے آزاد — آہ کیا قہر کیا ان ستم ایجادوں نے!

جب سے شاگرد ہوا حضرتِ مظہر کا بیاں
کیا شاگردی کا اقرار سب استادوں نے

## ۱۴۹

میں نہ اب تک اے بتِ محبوب سمجھا تھا تجھے — خوب سمجھا تھا تجھے! کیا خوب سمجھا تھا تجھے!
دل میں اپنے غور کرتا ہوں ترا منہ دیکھ دیکھ — کیا سمجھ کر طبع نے مرغوب سمجھا تھا تجھے

دل کی نادانی سے اب تک یہ خطا واقع ہوئی — میں تو کب کا، اے مرے محبوب! سمجھا تھا تجھے
غالب آنا عشق کا اے عقل اب کیا ہے عجب — میں تو پہلے روز ہی مغلوب سمجھا تھا تجھے

تیری بے صبری سے آخر اٹھ گیا پردہ بیاں
آہ وہ دیر آشنا توب سمجھا تھا تجھے

۱۵۰

مے حقیقت کو پی محقق جو ہو کے مست و خراب اچھلے — تو اس کی تقلید کر مقلد کبھی بن پیے ہی شراب اچھلے
فقط عبارت ہی تو نے طالب پڑھی ہے گر پڑھ کے مدرسے میں — جو منکشف ہوں نہیں تجھ پہ معنی تو بند کر کر کتاب اچھلے
یہ گرم آنسو بدن پہ جس جا گریں تو اٹھتے ہیں ایسے چھالے — کہ بوند گرنے سے مینہ کے پانی میں جس طرح سے حباب اچھلے
وہ ماہ پارہ ہماری جوشش سے گرم جتنا کہ ہو گیا ہے — کسی نے سیماب کو نہ دیکھا کہ آگ سے یوں شتاب اچھلے
یہ تیرے بسمل کے دل میں ظالم! تڑپ کی باقی رہی ہے حسرت — عجب نہیں ہے کہ بھننے میں جو سیخ پر بھی کباب اچھلے
نہ کچھ وفا کی ہماری گنتی نہ کچھ ستم کا شمار اپنے — ذرا تو انصاف دل میں کیجے کہ بن کیے ہی حساب اچھلے
نہ ہو مضامیں یہ کیونکر عالی کہ عرش اعلیٰ ہے جن کا مبدا — بلند جتنا کہ ہووے منبع تو اوپر اتنا ہی آب اچھلے
صلاح دیتی ہے مجھ کو پیری کہ اب کوئی روز بیٹھ رہیے — کہ ٹھٹکی جب تک تھی خوب کودے جہاں تلک تھا شباب اچھلے

عجب بیاں کا یہ ریختہ ہے کہ قدر داں اس پہ لوٹتے ہیں
امید تو ہے بہ ایں متانت وزیر عالی جناب اچھلے

۱۵۱

چشموں سے تجھ بن امڈا یہ بے شمار پانی — طوفان نوح لیوے جس سے ادھار پانی
دریائے اشک کا میں طغیان کیا بتاؤں — پہنچے نظر جہاں تک ہے وار پار پانی
رونے سے دل کی سوزش مطلق ہوئی نہ کچھ کم — ہرگز بجھی نہ آتش، چھڑکا ہزار پانی
جب ذکر اس لبوں کا گزرے ہے تک زباں پر — آتا ہے منہ میں بھر بھر بے اختیار پانی
سو وہ ادب ہے لینا اس منہ پہ نام بوسہ — دل چاہتا ہے پیجے بس وار وار پانی

احباب کا گلہ تو کرنا نہیں مناسب — آگ آپ ہی لگا کر ڈھونڈیں ہیں یار پانی

تعریف شعرِ تر کی لکھے بیاں کہاں تک
بھرتا ہے جس کے آگے ابرِ بہار پانی

## ۱۵۲

یا علی صدقے ترے کیا کیا مری کل بل ٹلی — کُل بلا تجھ نام سے لے مظہرِ اکمل ٹلی

دل نے ہر اک تار سے زلفوں کے سودا کر لیا — ایک دن مشاطہ جوں ہی آنکھ سے اوجھل ٹلی

یار کے عزمِ سفر کی مچ گئی تھی کھلبلی — شکر اللہ مٹ گیا غل اور وہ ہلچل ٹلی

عاشقی میں چین سے گر ایک دن گزرا تو کیا — آج وہ آفت دھری ہے پھر جو سر سے کل ٹلی

خاک افتادوں کے سر کو رات ٹھکرا کر بہ زور — صبح کو کہتا ہے، میری ناف، وہ چنچل ٹلی

تھان کی سی ہے طرح، چسپیدہ کے دل کو ہم — نہ نہیں پھر بیٹھتی جس وقت اس کی سل ٹلی

کون ہے سوز و گدازِ عشق میں ثابت قدم — ٹل گیا پروانہ پہلے، شمع یا اول ٹلی

فی الحقیقت آدمی سب کل کے تیلے ہیں یہاں
کیسے ہو جاتے ہیں بیکل ایک بھی جب کل ٹلی

## ۱۵۳

آئے بھی اور آغوش سے پھر رات نہ نکلے — اب دیکھو کہیں اس کی مکافات نہ نکلے

تب لطف ہے کچھ بادہ کشی میں کہ وہ ساقی — گھر سے مرے تا موسمِ برسات نہ نکلے

قسمت سے رقیب، آہ! ملا ہم کو سو ایسا — گر ڈھونڈیے ایسا کوئی بدذات نہ نکلے

جس وقت کہ محفل میں مرا حال وہ پوچھے — کیا قہر ہے جو منہ سے مرے بات نہ نکلے

گزرے ہے مری خاک سے نزدیک وہ انجان — ڈرتا ہوں کہ تربت سے کہیں ہات نہ نکلے

کیفیت ان آنکھوں کی کوئی مجھ سے جو پوچھے — ایسا کہیں دنیا میں خرابات نہ نکلے

جن کاموں کے ہم واسطے آئے تھے یہاں یاں
کچھ ہاتھ ہمارے سے وہ ہیہات نہ نکلے

## ۱۵۴

چھوڑے اپنا نہ کوئی آپ وطن پھرتا ہے
دانا پانی لیے پورب سے دکن پھیرتا ہے

دیکھ ٹک آکے مرے سرو چمن کو قمری
کبھو اس طرح ترا سرو چمن پھرتا ہے

اور اک زخم کی اُمّید پہ اس کا مقتول
پیچھو پیچھو لیے کاندھے پہ کفن پھرتا ہے

ہم سے بے وجہ جو ہر دن ہے نئی کج روشی
کیا ترا سر مگر، اے چرخِ کہن! پھرتا ہے

سنگِ طفلاں سے خوشی گر نہیں دیوانے کو
شہر کی گلیوں میں کیوں چھوڑ کے بن پھرتا ہے

سیر گلگشت میں اک لطف عجب ہوتا ہے
ق
پان جب کھا کے مرا غنچہ دہن پھرتا ہے

گل کو منقار میں لے ہوتی ہے بلبل صدقے
چاہ سے آب نکل گردِ چمن پھرتا ہے

اب تہِ خاک سے ڈر سے تو جاتا ہے بیاں خستہ جگر
عمر باقی ہے تو کچھ کر کے جتن پھرتا ہے

## ۱۵۵

عمر ہیہات چلی جاتی ہے
دن گیا رات چلی جاتی ہے

جب سے ہستی کی بچھی ہے شطرنج
بر دیا مات چلی جاتی ہے

ہے کدھر قیس؟ کہاں ہے فرہاد؟
عشق سے بات چلی جاتی ہے

جانِ جاں دل کو لیے جاتا ہے
جان بھی سات چلی جاتی ہے

گو کہ ہر لحظہ ہو تبدیل صفات
ہے وہی ذات چلی جاتی ہے

مان، کافر! کہیں من بھی جلدی
مفت میں رات چلی جاتی ہے

آ پہنچ یار! کریں بادہ کشی
ہائے برسات چلی جاتی ہے

اولیا گو ہیں بظاہر روپوش
پر کرامات چلی جاتی ہے

نیزہ بازوں کی طرح اس کی نگاہ
کر کے دو ہات چلی جاتی ہے

للہ الحمد کہ اب تک تو بیاں
ق
گزری اوقات چلی جاتی ہے

اپنے والی کی طرف سے، ہمدم!
ایک عنایات چلی جاتی ہے

آج ہم تیری گلی سے یار اپنے گھر چلے
آئے تھے کس شوق سے کیا حسرتیں لے کر چلے

ہے جلو میں فوجِ اشک اور آہ و نالوں کے علم
عشق کی دولت سے لے کر ساتھ اک لشکر چلے

ہم تو کہتے تھے کہ اس در سے نہ جاویں گے کبھو
گر یہی تیری خوشی ٹھہری، بہت بہتر چلے

دست گیری کا گماں جن دوستوں سے تھا ہمیں
روبرو اس کے نہ پوچھا یہ کہ تم کیدھر چلے

قطعِ الفت ہو بیاںؔ کے دل کو یہ ممکن نہیں
گر خدا نا خواستہ آرا کبھو سر پر چلے

---

پوچھ نہ مجھ سے، ہم نشیں! کس لیے رنگ زرد ہے
سینے میں ایک اس طرف دست بجز درد ہے

خواہ زنِ عزیز ہو، خواہ ہو قیس و کوہکن
کوچۂ عشق میں قدم جس نے رکھا وہ مرد ہے

---

گفتار سن کے اس کی طوطی کلام بھولے
رفتار دیکھ کر کبک اپنا خرام بھولے

آئے تھے ہم بغل میں لے کر گلے کا دفتر
منھ دیکھتے ہی اس کا شکوہ تمام بھولے

---

کیا جانیے کیا یہ تری رفتار کرے گی
کس فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کرے گی

اس چشم سے جز اس کے نہیں چشم تو قع
بیمار کی صحبت ہمیں بیمار کرے گی

اے بلبل شوریدہ! نہ کہتے تھے بھلا ہم
آخر تجھے یہ الفتِ گل خوار کرے گی

---

تصور اس کا مری چشمِ تر سے کیا نکلے
بھلا جھڑی میں کوئی اپنے گھر سے کیا نکلے

فغانِ نیم شبی سے تو کچھ نہ نکلا کام
اب آگے دیکھیے آہِ سحر سے کیا نکلے؟

قضائے تیغ سے وابستہ جو رکھا ہو امر
یہ سینہ زوری ہے بیجا سپر سے کیا نکلے

سوائے ذبح کی آن رات ہو یا دن
ہمارے ترک کا خنجر کمر سے کیا نکلے

---

ملائی اور، رند کی رفتار اور ہے — یہ بحث اور ہی ہے وہ تکرار اور ہے
ہر چند نیمچا بھی ہے پیارے کے ہاتھ میں — مارا ہے جس سے مجھ کو وہ تروار اور ہے

---

ایک دن وہ تھے کہ جوں ہی صبح جاگے، آ گئے — مجھ کو گر آتا سُنا جلدی سے آگے آ گئے
غیر محفل میں اگر وارد ہوئے ٹک بھول کر — نام سنتے ہی مرا، بس واں سے بھاگے آ گئے
اتفاقاً ایک دو دن بعد اگر ملنا ہوا — دور ہی سے دوڑ کر چھاتی سے لاگے آ گئے

---

دل خبر دیتا ہے شاید آج ملتا ہے کوئی — غنچۂ امید اس گلشن میں کھلتا ہے کوئی

---

ہر چند یہ عاصی تو گنہگار بہت ہے — پر آس سے بخشش تری، اے یار! بہت ہے
پہنچا ہے مجھے مخبرِ صادق سے یہ مژدہ — تو جنس کا عصیاں کے خریدار بہت ہے
بد گو سے میں ڈرتا ہوں کہ مکار بہت ہے — ہر چند کہ تو عاقل و ہشیار بہت ہے

---

یارو! یہ دوستی سے تمہاری بعید ہے — میں یار سے بعید ہوں کہتے ہو عید ہے

---

گو مرا دشمن ایک عالم ہے — تو اگر دوست ہے تو کیا غم ہے

---

احباب اس کی نظروں میں سب مسخرے ہوئے — صاحب کہے سے جی ہوئے تھے سو اب تو ارے ہوئے

---

بے ہوئے کی خبر کو اے طبیب! آس نہیں ہے — جو میری دوا ہے سو ترے پاس نہیں ہے

---

اپنے بھی دل سے رقابت ہو گئی ہے اب مجھے — دشمن جانی ہے میرا جو کوئی چاہے تجھے

---

منع تو کرتا ہے رونے سے مجھے اے ہم نشیں  تو ہی بتلا، کس طرح یہ آگ سینے کی بجھے

---

خدا تجھے مری آغوش سے جدا نہ کرے  یہ بات کہتے بھی دھڑکے ہے دل، خدا نہ کرے

---

نہ کہا حیا سے تو کیا ہوا، کہا صاف مُنہ پہ تو کیا رہی  نہ وہ حسن جس پہ وفا پھبے، نہ وہ آن ہے، نہ ادا رہی

---

وہ بت نہیں تو دیر کو ہرگز نہ جائیں گے  ہم بت کدے کو نور کی مسجد بنائیں گے
گر یوں ہی آسمان جلاوے گا تجھ بغیر  تو جیتے جی ہی اپنے زمیں میں سمائیں گے

---

نگاہوں کی زباں کو اہل محفل کوئی کیا جانے  مرے اور اس کے کیا کیا ہو گئیں باتیں، خدا جانے

---

کیا شال، کیا دو شالہ اک پشم جانتا ہے  درویش اپنی کملی جس وقت تانتا ہے

---

نم دیکھتے ہی منہ عاشق کا، مضمون دو دیدۂ نم سمجھے  تصریح بیاں کچھ خوب نہیں، کچھ تم سمجھے، کچھ ہم سمجھے

---

مجھ کو جوں نقش قدم چھوڑ چلا جاتا ہے  ساتھ جانے کی نہ طاقت، نہ رہا جاتا ہے

---

# رباعیات

کاجل آنکھوں میں جب سے منظور ہوا — اور سرمہ حضورِ یار سے دور ہوا
روشن ہوئے یاں چراغ سے چشم و چراغ — واں جل کر خاک رشک سے طور ہوا

---

کیا فائدہ، اے یار! ترے آنے کا — میں ہجر کے ڈر سے لطف نہیں پانے کا
منظور ہے گر بندہ نوازی تجھ کو — اتنا کہہ لے کہ پھر نہیں جانے کا

---

سب دیکھیں گے جو کچھ کہ ہویدا ہوگا — اب ترا کون کون شیدا ہوگا
دعوائے محبت تو کریں گے لاکھوں — لیکن مجھ سا بشر نہ پیدا ہوگا

---

گر چونک کے بیدار وہ ہوتا ہیگا — عالم کی غضب سے جان کھوتا ہیگا
غنچے کو صبا کہیو کہ آہستہ کھلے — زانو پہ مرے یار سوتا ہیگا

---

کہتے ہیں یار جو کہے سہیے سب — سہتے ہیں یار جو کہے سہیے سب
ہے بات تو یہ کہ اس کے کوچے میں ہم — رہتے ہیں یار جو کہے سہیے سب

---

یارب کیا ہو گیا زمانے کو آج — سب چیز کا دیکھتا ہوں برعکس رواج

معشوق ہوئے ہیں سارے عاشق پیشہ　　　عاشق سب ہو گئے معشوق مزاج

---

کس نیند میں آج رات سوتی ہے صبح　　　کیوں جان مری مفت میں کھوتی ہے صبح
ہووے کی شامِ حشر کے دن کی بیاں　　　پر ہجر کی شب کی نہیں ہوتی ہے صبح

---

کیا زلف میں اُس شوخ کی تھی دیکھی صبح　　　یا شام سے ہوتی ہے کسی شب کی صبح
ٹک زلف کو میں ہاتھ لگا یا کہ ادھر　　　ہمسایہ پکارا کہ ہوئی کب کی صبح

---

لوٹا خاروں نے باغِ آلِ احمد　　　آشفتہ کیا دماغِ آلِ احمد
ہو صبح کبھو نہ شامِ غم کی اس کے　　　گل جن نے کیا چراغِ آلِ احمد

---

از بس نہیں میں اپنی زباں پر قادر　　　اکثر ہوتی ہیں دل کی باتیں ظاہر
کہتا ہے وہ طفلِ شرمگیں جھنجھلا کر　　　یارب عاشق نہ ہو کسی کا شاعر

---

مجھ بے کس کی عزیز کس کو خاطر　　　تا اس سے کہے کہ اے ستمگر اے کافر
یاں تجھ کو ہوئے سنگسار کرتے تو پھر　　　واں ہو بھی چکا ہے کام اس کا آخر

---

کیا قتل پہ میرے تو نے باندھی ہے کمر　　　کیا قتل پہ میرے تو نے باندھی ہے کمر
باور آتا نہیں ہے مجھ کو اب تک　　　کیا قتل پہ میرے تو نے باندھی ہے کمر

---

اس نعمتِ دنیا کی نہیں مجھ کو ہوس　　　بھاتا نہیں ہرگز مجھے پس خوردۂ کس
ہرگز نہ کرے قبول معدہ میرا　　　جس شہد کے اطراف میں بھنکی ہو مگس

---

آ گئے تھے بھرے دل میں مرے نقشِ ہوس — اس عشق نے ایسا ورق الٹا ہے کہ بس
ہنستا تھا میں فریادِ غریباں پہ سدا — روتا ہوں جو سنتا ہوں اب آوازِ جرس

---

جس شخص کی ہو شان میں واردِ لولاک — مسکن تو ہووے اس کی اسے مرکزِ خاک!
اس ذات سے یاں تک تو ہوا تجھ کو شرف — پھرتے ہیں ترے گرد ہمیشہ افلاک

---

وہ بوجھ کہ جس کو نہ کرے کوئی قبول — سب اس کے اٹھانے میں کریں حکم عدول
کی حضرتِ انساں نے اطاعت آکر — اب خواہ ظلوم نام رکھ خواہ جہول

---

اب پوچھے ہے لے یار! بیاں کا احوال — یعنی مری دوری سے ہے اس کا کیا حال
تو چھوڑ گیا تھا نقشِ پا کے مانند — وہ پاؤں اٹھاتے ہی ہوا تھا پامال

---

یارو! بتلاؤ کیجیے کیا اس کو — پھرتا ہی نہیں وہاں سے بھیجا جس کو
بھیجا تھا خبر کو اس کی میں نے قاصد — قاصد کی خبر کو بھیجیے اب کس کو

---

کیا شیشۂ دل چور ہوا ہے، یارو! — آنکھوں سے چُنا چاہیے ان ٹکڑوں کو
ٹوٹا تو بلا سے یہ خلش ہے اب تو — مت پاوے خیالِ یار کو ایذا ہو

---

وہ کیونکہ کہے سخن کو میرے نیکو — جو ہووے نہ مقبولِ نگاہ و ابرو
ایسے تو یہ شعر خوں چکاں ہیں کہ ابھی — کاغذ کو نچوڑیے تو ٹپکے ہے لہو

---

گر حشر میں میرے خوں کی پرسش ہو — اور یہ کہیں کس گنہ پہ مارا اس کو
جو اور جواب کچھ نہ آوے، اے یار! — اتنا کہیو کہ یہ اسی سے پوچھو

وہ مست مئے حسن نہیں ہے آگاہ
کیا ظلم و ستم کرے ہے غمزے کی نگاہ
غارت اک شہر ناز و عشوہ نے کیا
افسوس نہیں فشون پر شاہ

---

ہم درد کو اپنے دل میں دیتے ہیں جگہ
ہمدرد کو اپنے دل میں دیتے ہیں جگہ
عشاق بجاں رکھتے ہیں محنت کو عزیز
ہم درد کو اپنے دل میں دیتے ہیں جگہ

---

گزری ہے مری عمر کرتے ہی گناہ
کیا گزرے گی مجھ پہ حشر میں یا اللہ
جن کاموں میں یاں کیے ہیں مو سفید
وے کام کہیں واں نہ کریں روسیاہ

---

کہتا ہوں جنابِ حق میں ڈرتے ڈرتے
مدت گزری دعائیں کرتے کرتے
ہے اس کی یہ قدرت کہ بیاں سا محروم
منہ یار کا دیکھ لیوے مرتے مرتے

---

آیا ہوں بتنگ دور رہتے رہتے
لوگوں سے تھکا پیام کہتے کہتے
روتا ہوں کہ سیلِ اشک جاری ہووے
پہنچوں میں گلی میں اس کی بہتے بہتے

---

کیا ظلم بیاں وہ تند خو کرتا ہے
رسوا جو تو اس کو کو بہ کو کرتا ہے
کہتے تجھے کم بخت نہیں آتی شرم
یہ کس کی شکایت ہے کہ تو کرتا ہے

---

دوری ہی کے دن اپنی دکھائے ہوتے
تشریف مرے گھر میں نہ لائے ہوتے
آتے ہی یہ قصد ہے کہ جلدی جاؤں
ایسے آنے سے تم نہ آئے ہوتے

---

تشریف وہی آفتِ جاں لاتا ہے
اب مجھ سے تو ٹھہرا نہیں یاں جاتا ہے
تو جانِ بیاں جو رہ سکے آپ میں رہ
وہ دیکھ کوئی ہوش ربا جاتا ہے

گو حال سے میرے کوئی آگاہ کرے
ممکن ہی نہیں کہ مہر دہ ماہ کرے
پتھر ہو تو رنگ سکے ہے اس میں ٹانکی
یاں دل ہی نہیں جس میں کوئی راہ کرے

---

طوفان ہے جوشِ گل کے دل دھڑکے ہے
پانی ہے یہ آگ اور بھی بھڑکے ہے
لہراتی ہوئی شاخ پہ جب کیجے نگاہ
گویا کہ شہید خوں میں پھڑکے ہے

---

ڈر ہے اس سے کہ جو خدا سے نہ ڈرے
تجھ سے کیوں کر نہ کوئی پرہیز کرے
یارب ایسے بھی آدمی ہوتے ہیں
پروا ہی نہیں کوئی جیے، کوئی مرے

---

جو ہاتھ ترے بکے نہ ظالم ہوتے
کیا پاؤں پسار کر ہم اپنے سوتے
اک روز یہ سوجھتا ہے، تجھ بن پیارے
آنکھیں بھی نکل پڑیں گی روتے روتے

---

افسوس ہماری یوں ہی روتے گزری
نت دل کے غبارِ غم ہی دھوتے گزری
دیکھا نہ کبھو خواب میں اپنا یوسف
ہر چند تمام عمر سوتے گزری

---

کوچے میں ترے ہم سے بلکتے ہیں کئی
خاموش کئی پڑے ہیں بکتے ہیں کئی
حسرت میں دیدار کی تیرے ظالم!
مر گئے ہیں کئی اور سسکتے ہیں کئی

---

قاصد! تجھے حق رسائی اس تک جو دے
یہ کہہ کے غبار اس کے دل سے دھو دے
"ایسا ہی برا حال بیاں کا دیکھا
ظالم جو کبھو دیکھے تو تو بھی رو دے"

---

جی لے ہی کے یہ عشق کی تب چھوڑے ہے
جب کچھ نہ رہے نشان تب چھوڑے ہے
میں تو اس کے خیال کو چھوڑوں آج
لیکن اس کا خیال کب چھوڑے ہے

یارب مجھے اس نزع میں تک فرصت دے
گو اس کے عوض حشر میں پھر جاں مت دے
آیا ہے ابھی یار مری بالیں پر
اک آن کی اب مرگ مجھے مہلت دے

---

فوارے کی تعریف بیاں کیا بولے
اک منہ ہے کہ جس سے خلق موتی رولے
یا چشمۂ حیواں پہ کھڑے حضرتِ خضر
کرتے ہیں غسل بال سر کے کھولے

---

فوارے کو دیکھ کے شمع راتوں روئی
یاں تک کہ حسد میں جان اپنی کھوئی
کیا شستہ و رفتہ حسن ہے نام خدا
سہرا باندھے کھڑا ہے دولہا کوئی

---

مذکور ہے جب اپنے وہ شرماتا ہے
یہ مجھ سے کہے ہے اور اکتاتا ہے
"بس تھوڑی کہیں رباعیاں تو نے بیاں
اتنا یکتا بھی خوش نہیں آتا ہے"

---

وے دن گئے لوگوں نے سکھایا سو کیا
اب یہ ہے کہ جو طبع کو بھایا سو کیا
بہتر ہے خیر خواہ بکتے ہی رہیں
صاحب زادے ہیں جی میں آیا سو کیا

---

## در مبارکباد سالگرہ حضور پرنور

یہ ذات کہ ہے رحمتِ حق کی تصویر
رکھے دنیا میں تا ابد حقِ قدیر
ہوں سالگرہ کے رشتے میں اتنی گرہ
گنتے ہوئے خیر خواہ ہوں پیر کبیر

---

## بہ جناب حضرت پیر و مرشد دام افضالہٗ

تجھ سے کوئی چاہتا ہے فیل اور فرس
رکھتا ہے کوئی نعیم و عقبیٰ کی ہوس
اے فخرِ زماں دین پناہ، جانِ جہاں
میں تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں اور بس

## در مدح حضور پرنور

نوّابِ فلک جناب خورشید مثال — اس دستِ مبارک میں کماں ہے فی الحال

سب حلقہ بگوش آج ہوویں قرباں — ہے پنجۂ خورشید میں گویا کہ ہلال

---

## در تعریف خضاب عالمگیر بادشاہ

اے قبلۂ آفاق! اے شہِ والا جاہ — کیا خوب ہوا خضاب کرنا باللہ

میں روئے مقدس کو کہا تھا کعبہ — بس چاہیے لباس ہو کعبے کا سیاہ

---

# مخمس بر ریختہ مرزا رفیع السودا

اب کہ بحرِ دہر میں گریے کی ہمارے دھاک ہے
ابر سے ہم چشم ہونے میں ہمیں کیا باک ہے
جانتا ہے وہ جسے کچھ ہوش اور ادراک ہے
خشک ہونے سے ہمارا دیدۂ تر پاک ہے
جوں حباب اس گھر میں جب دیکھو ہوا نمناک ہے

وے گئے دن تجھ میں ہم پاتے تھے اوصافِ مَلک
جلوۂ قدوسی اب ٹھہری ہے تیغے کی جھلک
ان دنوں میں ظلم کا پہنچا ہے رتبہ یاں تلک
رات یہ کہتا تھا، ظالم مجھ کو جلادِ فلک
"یار میں تیرے ہے سب خوبی پر اک سفاک ہے"

تھے ہم اوّل بھی عدم، آخر بھی ہو ویں گے عدم
نیست اور نابود ہونے سے نہیں کچھ اپنے غم
کیوں دکھاتی ہے، زمیں، تو رات دن اپنا شکم؟
مثل اسپارے کیا پھرے ہو؟ اے فلک، سمجھیں ہیں ہم
ایک دن تیرا دہاں اور اپنی مشتِ خاک ہے

جزو ناری تجھ میں یہ غالب ہے، اے مہر شہنشاہ
پر جلیں مرغِ نظر کے گر کرے کوئی نگاہ
ذرے تیرے سنگ میں آتش نے لی جا کر پناہ
تند خوئی سے تری از بس پھرے ہے دادخواہ
جس جگہ دیکھوں ہوں شعلے کا گریباں چاک ہے

ہے صراط المستقیم شرع راہِ بے خلل
ہے وہ گم رہ جو کہ اس جادے سے جاتا ہے نکل
آپ کج رو ہو کے اوروں کو نہ بہکائے دغل
رہنمائی خلق کی چاہے تو راہِ کج نہ چل
شیخ ہونے سے عصا محروم چوبِ تاک ہے

ہاتھ سے اغیار کے ہم نے بیاں کاٹا ہے جوگ
مرنے سے پہلے ہی بعضے بدشگوں کرتے ہیں سوگ
ہیں گھروں میں منتظر، اب یاں تلک پہنچا ہے روگ
کیا لکھوں حالِ تباہ اپنا کہ سودا وہ جو لوگ
چاہتے تھے یہ دن ان کی یاں سے دل تنگ دام ہے

# مخمس بر غزل انعام اللہ خان یقیںؔ

یہ بے لحاظ باتیں کس نے سکھائیاں ہیں
ہر وقت ہاتھ اٹھاتا کیا بدادائیاں ہیں
بے طوریاں پیارے کتنی چھپائیاں ہیں
گالی بھی پی گئے ہیں، ماریں بھی کھائیاں ہیں
کیا کیا تری جفائیں ہم نے اٹھائیاں ہیں

سبزہ مدام ہو جو سرسبز بر لبِ جو
گل کو ہمیشہ ہونا یہ رنگ اور یہ بُو
بلبل کے زمزمے یاں تا روزِ حشر رہیو
ہم تو چلے یہ یارب آباد رکھیو ان کو
ان باغوں میں کیا کیا دھومیں مچائیاں ہیں

بندِ قبا گر اپنے وہ نازنیں کھلاتا
تو پیرہن میں کوئی پھولا نہ پھر سماتا
وہ جامہ زیب اپنی ایڑی نہیں دکھاتا
ایسا دراز دامن نہیں ہاتھ ان کے آتا
بختوں کی عاشقوں کے کیا نارسائیاں ہیں

لازم ہے عاشقی میں اپنی خودی سے لڑنا
دنیا میں سر نوانا عالم کے پانو پڑنا
یہ پڑھ کے کوہ کن کے اک دھول سر میں جڑنا
خسرو کے مُنہ پہ چڑھنا اور بےستوں سے اڑنا
کچھ عاشقی نہیں ہے زور آزمائیاں ہیں

مظہر کی بندگی میں ہے اب میاں بھی حاضر
وہ خوب جانتا ہے جیسے ہیں آپ شاعر
یہ اپنے حق میں صاحب کرتے عبث ہیں ظاہر
حق کو یقیں کے یارو! بربادمت دو آخر
تم نے سخن کی طرزیں اس سے اڑائیاں ہیں

---

# مخمس

میری دشمن ہوئی شب مہتاب
کیوں پیا میں نے جامِ بادۂ ناب
دیکھیے کیونکر اب ہو رفعِ حجاب
آں کہ شب داد تو بہ ام ز شراب
اشبم باز دید مست و خراب

# مخمس برابیات نعمت خاں

اگرچہ ہم کو میسّر ہے اس قدر کاغذ — کہ لکھ کے بھیجیے روداد کا ادھر کاغذ
ولیک جی میں یہ آتا ہے دیکھ کر کاغذ — زسوز سینہ چہ انشا کنیم بر کاغذ
کہ شعلہ را نتوانیم بست در کاغذ

خدا کے واسطے "لکھ لکھ" مجھے نہ کہہ ہمدم! — کروں میں کس طرح احوال دل کو اپنے رقم؟
کہوں گا اس کو دکھا کر یہ جیب و دامن نم — کمن زمن گلہ ایں کہ نامہ ننوشتم
اماں نہ یافت بدستم زچشم تر کاغذ

---

# دعائیہ حضور پر نور فی سنہ یک ہزار و دو صد و دہ ہجری در ایام آوارہ شدہ رفتن عالی جاہ بہ اورنگ آباد

مخالف ہمیشہ ترا خوار رہیو — مرض سے شقاوت کے بیمار رہیو
سزائے عمل میں گرفتار رہیو — چمن تیری دولت کا بے خار رہیو
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

زمیں آسماں جب تلک ہے خدایا — رہے عاطفت کا تری ہم پہ سایا
عجب پاک گوہر خدا نے بنایا — کسو میں نہیں ہے جو کچھ تجھ میں پایا
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

جو بدخواہ تیرا ہو کھینچے ندامت — کرے نیست و نابود اسے اس کی شامت
خدا تجھ کو قائم رکھے تا قیامت — ہزاروں برس تک تو رہیو سلامت
یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

مبارک تجھی کو رہے یہ ریاست ترقی میں ہو جو تری عمر و دولت
سدا تو ہی رہیو خداوند نعمت طفیل رسالت بعونِ ولایت

یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

وہ دستورِ اعظم، نگہبان مسند کہ سو جاں سے ہوتا تھا قربان مسند
خدا اس کو پھر لائے پایان مسند کہ ہے موجبِ شوکت و شان مسند

یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

یہ ذاتِ مقدس کہ ہے جلوہ فرما جہاں میں ہمیشہ رہے رونق افزا
الٰہی ہمیں اور کا منہ نہ دکھلا بیاںؔ کو شب و روز ہے یہ تمنّا

یہ مسند تجھی کو سزاوار رہیو

---

# مسدس

وصل کی شب کی کیفیت، کیا کروں، دوستو! رقم
پہلے تو آدھی رات تک روٹھ رہا تھا وہ صنم
بارے بہت سی منتیں کر کے ملے تھے تک ہم
گردشِ چرخ نے کیا ہائے یہ ظلم یہ ستم

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیاہ کنید یاد بہ ایں بہانہ رفت

کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں! رزو رمزے کی رات تھی
عید کے دن کی چہل بھی ان کے حضور مات تھی
عشرت و عیش اور خوشی اس کے سوا نہ بات تھی
توسنِ چرخ کی عناں حیف نہ میرے ہات تھی

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

رات تھی یا شب برات یا شب قدر تھی وہ رات
ساغرِ مے بہ دستِ یار زلفوں میں اس کے میرے ہات
نکلیں تھیں ساری خواہشیں کرتے تھے کھل کے دل کی بات
اتنے میں کی یہ دشمنی دَورِ فلک نے میرے سات

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کتنے دنوں کے بعد رات وہ مہِ عنبریں نقاب
لطف سے میرے گھر میں آ بارے ہوا تھا بے حجاب
عرصۂ شب ہوا تمام کیا کہوں کس قدر شتاب
توڑوں فلک کی چھت کو میں پھوڑوں یہ قرصِ آفتاب

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیاہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کیا کہوں تم سے، دوستو! کیونکر کٹی ہے آج شب
پہلے جو کچھ کہ عیش تھے ہائے نہ پوچھ مجھ سے اب
سوتے تھے صحنِ باغ میں غنچہ دہن سے لب بہ لب
آنکھ جو اس میں کھل گئی دیکھوں تو یہ ہوا غضب

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

یار دبا نہ تم سے ہو سکا اس کو کہو کہ "جا نہ تو"    تھا میں کہا کہ کیجے طعن آپ ہی کیوں کہا نہ تو
اے فلکِ ستیزہ کار! ہو تو لے ذرا ٹھہرا نہ تو    شمس کو بھی نہ یہ کہا "شرق سے منہ دکھا نہ تو"

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

اوّل شام ہی سے میں جان جہاں کے تئیں بلائے    کتنے پیا مر گئے، تب کہیں منتوں سے آئے
پھر تو عجب سماں بندھا بزمِ طرب جب آجمائے    مجلسِ عیش کو مری کس کی نظر لگی یہ ہائے

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

شام سے تھا یہ دغدغہ عہدِ فلک دغا نہ دے    تا کے نسیم صبح کی ہم کو کہیں جگا نہ دے
مت کہیں مرغ بانگ دے کوئی گجر بجا نہ دے    ہووے کب ایسی شب بیاں جب تئیں پھر خدا نہ دے

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

ہجر کی جس کو ہو طپش وہ نہ جلے تو کیا کرے    ہے یہ بلاے بد، خدا اس میں نہ مبتلا کرے
آ کے پھر بغل میں تو یوں ہی رہے خدا کرے    خوش ہیں جو اپنے یار ساتھ ان کے بلا پھرا کرے

صبح دمید، شب گزشت، ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیاہ کنید، یار بہ ایں بہانہ رفت

---

## مسدّس در مدح نوابِ آصف جاہ نظام الملک میر نظام علیخان بہادر رستم دوراں مدظلہ العالی

یاالٰہی تا قیامت فتح و نصرت ہم رکاب    اس درِ دولت کے بداندیش کا خانہ خراب
آتشِ دوزخ میں ہو بدخواہ کا سینہ کباب    خیرخواہوں کی دعا کیسی ہوئی یہ مستجاب

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

غلغلہ اس فتح کا ہے شرق سے لے غرب تک — دھوم ہے لشکر کشی کی شش جہت بے شبہ و شک
آج یہ سب کی زباں پر ہے سما سے تا سمک — آدمی کیا بلکہ ایسا کہتے ہیں سب جن و ملک

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

خاندانِ آصفی کا ہے مؤید کردگار — مرہٹے انگریز تھے یاں کی مدد سے استوار
تھا اسی تائید سے میداں میں دونوں کو قرار — نام کی ہیبت سے آخر کر گیا ٹیپو فرار

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

اعظم الامرا کی اس تدبیر پر صد آفریں — جب کہ وہ پسپا ہوا تب رکھ لیا اس کے تئیں
اس کی سلطانی کی نخوت کا کیا سر بر زمیں — جس جگہ دیکھو یہی مذکور ہے اب ہر کہیں

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

رستم دوراں میں اور رستم فقط میں فرق ہے — فرق بھی کیسا کہ جیسا غرب سے لے شرق ہے
حق میں دشمن کے نگاہ قہریاں کی برق ہے — ٹک ادھر دیکھا کہ بس تحت الثریٰ میں غرق ہے

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

رستم اپنی پہلوانی کا فقط رکھتا تھا نام — رستمی اس کی اسی کے رو برو تھی بس تمام
ذات اقدس وہ ہے جس سے کانپتا ہے روم و شام — بس بیاں اتنے ہی پر کرتا ہے اب ختم کلام

شاہ عالم نے دیا تھا رستم دوراں خطاب
سو خدا نے کر دکھایا راست اے عالی جناب!

---

# عرض آداب بجناب حضرت پیغمبر علیہ السلام و آلہ الکرام

اوّل تو مصطفیٰ کو آداب عرض کیجو
سلطانِ انبیا کو آداب عرض کیجو

پھر بعد یاں سے جلدی جا کر ادھر نجف میں
سالارِ اولیا کو آداب عرض کیجو

پردے سے اوٹ رہ کر عصمت ہے جن کی لونڈی
اس صاحبِ حیا کو آداب عرض کیجو

خلقِ حسن سے جن کے دونوں جہاں بھرے ہیں
اس شاہ اصفیا کو آداب عرض کیجو

پھر بعد یاں سے جا کر اس خاکِ خوں چکاں پر
اس راضیِ رضا کو آداب عرض کیجو

وہ جس کا نام لیتے ہوتے ہیں دل کے ٹکڑے
اس صابرِ بلا کو آداب عرض کیجو

شاہِ شہید کے ساتھ جتنوں نے سر کٹایا
سب اہلِ کربلا کو آداب عرض کیجو

زین العباد و باقر جعفر امام صادق
ہر ایک مقتدا کو آداب عرض کیجو

حضرت امام موسیٰ کاظم کو کر کے تسلیم
پھر موسیِ رضا کو آداب عرض کیجو

حضرت تقی کو پہلے پھر حضرتِ نقی کو
بحرین کبریا کو آداب عرض کیجو

قدموں پہ عسکری کے سر عجز کا نوا کر
مہدیِ رہنما کو آداب عرض کیجو

بادِ صبا یہ تجھ سے پیغام ہے بیاں کا
سب آلِ مصطفیٰ کو آداب عرض کیجو

---

# مرثیہ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام

برہنہ تیغ ہمیں جب حرم میں جاتے تھے — تب اہل بیت پیمبر انھیں سناتے تھے
بھلا کبھو حرمِ محترم میں آتے تھے — نبی کی آل سے یا خوں کبھی بہاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

نہ لائے منہ یہ حیا سے رسول کے اضداد — کہ تا خجل نہ ہوا پنے کیے سے ابنِ زیاد
کبھو زباں پہ کچھ آیا تو یہ کیا ارشاد — اسی لیے ہمیں کوفے میں تم بلاتے تھے؟

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

کہاں ہے وہ سگِ ناپاک ابن سعد عمر — کوئی کہے اسے اے بے حیا! خدا سے ڈر
یہ وہ جناب ہے جس کے درِ مبارک پر — بدون اذن ملایک نہ بار پاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

وہ جس کی شان میں نازل ہے آیہ تطہیر — وہ جن کے واسطے اتری عبا بہ قومِ شریر
انھیں یہ شام کو جب لے چلے تھے کرکے اسیر — روانہ پا کے دے ہاتھوں سے منہ چھپاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

ادب سے سامنے جس کے نہ ہووے چرخ کھڑا — غضب تو دیکھو مقابل ہو یہ پلید لڑا
ابو تراب کا فرزند خاک میں ہے پڑا — وہ جس کو چھاتی پر اپنی نبی سلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

زمیں پہ جب کہ گرا وہ امام جن و بشر — رہا یہ گنبد گردوں بہ جائے خود کیوں کر
انھوں کے واسطے ہے آج خاک و خوں بستر — جنھوں کے مہد کو روح الامیں ہلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

یتیم ظلم کو ان ناکسوں کے جب سہتے — جنھوں کی آنکھ سے در یتیم تب بہتے
ستم گروں کی طرف دیکھ اس قدر کہتے — کہ کل کی بات ہے امت میں ہم کہلاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

ستم تو دیکھو کہ محکوم ہو کے جیوے وے — ہمیشہ خوف سے ہونٹوں کو اپنے سیوے وے
سوائے اشک کے پانی نہ تھا کہ پیوے وے — عوض طعام کے دن رات غم کو کھاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

ذرات قبضے میں کر اپنے یوں کہیں ہیں لعیں — ہمارے پاس تو پانی جز آب تیغ نہیں
پیاسے ہو تو پیو اپنے آنسوؤں کے تئیں — تب اپنے ہونٹوں کو وہ تشنہ لب دکھاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

کریں سلوک یہ بدذات آل اطہر سے — رکھیں امید شفاعت کی پھر پیمبر سے
مگر نہ تھا انھیں کچھ خوف روز محشر سے — نبی کی آل کو جو اس قدر ستاتے تھے

کری ہے روز جزا نے بیاں قیامت دیر
کہ کھینچے پھرتے ہیں آل نبی پہ یہ شمشیر

بیاں زیادہ اب اس سے تو میں کہوں کیونکر — ادب سے دور ہے تفسیر اس کی کیجے اگر

جنھوں کا نقشِ قدم چشمِ خلق سے بہتر برہنہ پا انھیں یہ بے حیا پھراتے تھے

کری ہے روزِ جزا نے بیاں قیامت دیر

کہ کھینچے پھرتے ہیں آلِ نبی پہ یہ شمشیر

---

## مرثیہ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام

گیا یہ کون دنیا سے نراسا لیا جنگل میں جا کر کن نے باسا

گلا کاٹا گیا کس کا پیاسا رسول اللہ کا پیارا نواسا

ادب کہتا ہے تو کچھ مت بیاں کر

محبت بولتی ہے سب عیاں کر

پیمبر کی ہوئی جس وقت رحلت گئیں جنت میں جب خاتونِ جنت

علی کی بھی ہوئی ثابت شہادت حسن بھی ہو چکے دنیا سے رخصت

اکیلا پا کے آلِ مصطفیٰ کو

دیے یہ دکھ حسینِ مجتبیٰ کو

دغا کے خط لکھے اہلِ خطا نے دغا ظاہر کی قومِ بے وفا نے

ابا مطلق نہ کی آلِ عبا نے کیا باور سب ابنِ مرتضا نے

کہ ہیں نانا کی آخر اپنے امت

نہیں یہ غدر سے اقرار بیعت

چلا اس شہر سے جس وقت وہ ماہ سب اہلِ بیت جوں انجم تھے ہمراہ

مدینے میں اٹھی اک نالہ و آہ کہ جاتا ہے کہاں اے دین کے شاہ

در و دیوار سب کرتے ہیں فریاد

ہوئی ہے صبر کی بنیاد برباد

دلاسا دے ہوئے رخصت وطن سے	کہ جیسے گل جدا ہووے چمن سے
کیا یوسف کو عریاں پیرہن سے	نکالا روح کو گویا کہ تن سے

غرض رخصت ہوا سالارِ دیں کا
مصمّم قصد کر کے اس زمیں کا

چلے منزل بہ منزل کربلا کو	کیا مختار کار اپنا رضا کو
خبر پہنچی ادھر اہلِ دغا کو	لکھا داں شام میں اس بے حیا کو

کہ سید کو کیا تزویر سے صید
کریں اب ذبح یا اس کو رکھیں قید

ادھر تھا وو دو تن سے تمامی	ہزاروں اس طرف کوفی و شامی
وہ تا سردار سب مشہور و نامی	کیا موقوف اقرار غلامی

دغا دے کر مدینے سے بلایا
اکیلا کر کے یاں کیسا ستایا

اگرچہ یاں بہت تعداد تھا کم	رہے ثابت قدم سلطانِ عالم
کیا کس طرح اس مصحف کو برہم	مٹایا کیوں کہ وہ نقشِ مکرم!

رکھوں کس منہ سے ان پر نام امّت
زہے امّت، زہے اسلام امّت

لکھا اس بے حیا نے شام سے یہ	"نہ نکلے سیّد اپنے دام سے یہ
مجھے منظور ہے اس کام سے یہ	خلاصہ ہے مرے پیغام سے یہ

کہ آ کر پاس میرے سر نوادیں
حضورِ خلق بیعت کر کے جاویں"

والا کاٹ لادیں سر بہر طور	نہیں ہے دوسری تدبیر کچھ اور
شقی نے دل میں اپنے کچھ نہ کی غور	نہیں دنیا میں اب تک یہ ہوا جور

گریں یکبارگی نہ سقف گردوں
کہ بیعت ان سے چاہے اپنی ملعوں

غضب دیکھو نواسے کو نبی کے قیامت ہے کہ بیٹے کو دمی کے
یہ ہوں بیہودہ پیغام اس شقی کے کروں مذکور کیا اس بے کسی کے

قیامت ہے غضب ہے، بے بسی ہے
نبی کی آل پر کیا بے کسی ہے

سُنا جس وقت یہ سرور نے پیغام کہ بیعت چاہتا ہے حاکمِ شام
حقارت سے ہماری ہے اسے کام نہیں منظور کچھ اعزاز و اکرام

یہ فرمایا کہ اتنا رحم کیجے
ہمیں اپنے وطن کی راہ دیجے

سنا ابنِ زیاد، اس بے حیا نے کہ رخصت چاہی ابن مرتضیٰ نے
کہا فی الفور امیر اشقیا نے "کہ اب ہرگز نہ دیجے ان کو جانے"

سبھی سردار لشکر کے بلا کر
کہا "بچتے نہ جانے پادیں سرور"

ہزار اور ایک کی ہو کیا لڑائی قضا جامِ شہادت لے کے آئی
حیائی چشم ظاہر سے اٹھائی فرات اوّل شہ دیں سے چھڑائی

پیاسے کر کے مارے آلِ اطہر
جنھوں کا باپ ہے ساقیِ کوثر

زیادہ اس کے کیفیت کو یاں کی پھٹی جاتی ہے چھاتی انس و جاں کی
قلم کی طرح حالت ہے زباں کی مفصل تر نہیں طاقت بیاں کی

خداوندا! بحق پاک مرداں
مرا در سایہ اش محشور گرداں

---

# قصیدہ در منقبت امیر المومنین علیہ السلام

کیا سخن کا مرتبہ پہنچا ہے اب نامِ خدا
عالمِ بالا سے ہوا اس گفتگو پر مرحبا

موتیوں سے کیوں کہ دوں تشبیہ اپنی نظم کو
گوہرِ شہوار نے آتنی کہاں پائی صفا

آبداری میں برابر گو کروں میں لعل سے
تو روانی میں ہے اس پتھر کو نسبت ان سے کیا

غرق دریا میں خجالت سے ہوئے درِّ یتیم
دیکھ کر رتبہ ہماری خانہ زادِ طبع کا

سنگ ہی کے دل میں کچھ جا گر رہی ہو لعل کی
ورنہ جوں خونِ سرشک آنکھوں سے مردم کے گرا

لعل و گوہر کب سخن کے روبرو رکھتے ہیں قدر
چشمِ بینش ہیں انھوں کی جن کو ہے فہم و ذکا

روشنیِ طبع کو کچھ مہر و مہ سے تھی مثال
سو نہ پایا ایک حالت پر انھیں میں نے سدا

گم ہے اس کے وصف میں جتنا زیادہ میں لکھوں
پر نہیں تعریف اپنی اپنے منہ سے خوش نما

صفو' کا غذ پہ جب سے یہ غزل میں نے لکھی
شاعری پہ ناز کرتے ہیں مری ارض و سما

---

کس کے مقدم کی خوشی میں شاد پھرتی ہے صبا
رشکِ فردوسِ بریں صحنِ چمن کیوں ہو گیا

جھانکتی ہیں ڈالیاں دیوار سے جھک جھک مگر
آج گلشن کی طرف آتا ہے وہ گلگوں قبا

رنگ مہندی کا فقط ہاتھوں پہ اس کے یہ نہیں
عاشقوں کے خون میں شاید کہ گوندھی ہے حنا

عشق کی تپ نے کیا کاہیدہ اب یاں تک مجھے
کھینچ لے جاتا ہے مجھ کو جا سے جذبِ کہربا

کیوں ترے ہونٹے کہا بد عہد میں نے گل کو ہائے
بے تمیزی پر مری ہنستا ہے وہ اے بے وفا!

نازپاشی قیس پر کیوں اس قدر کرتی ہے ریگ
ناقۂ لیلیٰ کا صحرا میں گزر شاید ہوا

گلستاں میں بھی نہیں کھلتی مرے دل کی گرہ
غنچہ ساں ہر چند میں نے کی صبا سے التجا

یہ غزل اتمام تک پہنچی کہ اک مردِ فضول
راہ خوش طبعی سے میرے حق میں یہ کہنے لگا

اس غزل پر تو تجھے پھبتا نہیں اتنا غرور
اس قدر افراط کو انصاف کر کہتے ہیں کیا!

یہ نہ سمجھا وہ کہ اس تعریف کا ہے کیا سبب
یہ نہ جانا فخر میں نے کس بھروسے پر کیا

جس قدر، بالا پری کیجے سبھی دیتی ہے زیب
کونسی تعریف ہے اتنا اگر میں نے کہا

بلکہ اپنی قدر سے غافل ہوں یہ کیا فخر ہے
میں تو کہلاتا ہوں مدّاحِ علیِؑ مرتضےٰ

وہ علیِ مرتضیٰ کرتا ہوں جب اس کی ثنا
عرش کے باشندگاں تک بولتے ہیں "مرحبا!"

وہ علیِ مرتضیٰ ادنیٰ ہے جس کا معجزہ
چیر ڈالا تھا طفولیت میں کامِ اژدھا

وہ علیِ مرتضیٰ جس کو ملی ہے ذوالفقار
وہ کہ خاص اس کی سواری کو ہوا دلدل عطا

شیر سے جس نے چھڑایا دشت میں سلمان کو
ایک حملے میں کیا جن نے درِ خیبر کو وا

وہ علیِ مرتضیٰ تھی عقد میں جس کے بتول
یعنی خاتونِ قیامت فاطمہ خیر النسا

جس کے یہ فرزند عالی قدر والا منزلت
نور بخش مہر و مہ، بحرِ کرم، کانِ سخا

شاربِ زہرِ ہلاہل، صابرِ رنج و تعب
کشتۂ شمشیر و خنجر، خستۂ کرب و بلا

آدم و حوا کی خلقت کو ہوا اس سے شرف
موجبِ ایجادِ عالم مظہرِ ذاتِ خدا

جس کے حق میں خود جنابِ مصطفیٰ کی ہے حدیث
جس کا مولا میں ہوں، ہے مولا علی مرتضیٰ

آسماں پر دستِ قدرت نے لکھی ہے اسکی مدح
نا سمجھ جس کے تئیں کہتے ہیں خطِ استوا

یہ حماقت ہے کہ ہوتے اس جنابِ پاک کے
کیجے گلشن میں جا بادِ صبا سے التجا

غنچۂ دل کو مرے وا کر سکے کیوں کر صبا
کس سے یہ عقدہ کھلے جز ناخنِ مشکل کشا

جب سے اس کی تیغ سے تشبیہ دی ہے برق کو
آسماں پر ان نے رہنے کے لیے پائی ہے جا

یہ نہ کہتے اے عدوے بے خبر! ہوتا اگر
ثانی اس شمشیر یا اس صاحبِ شمشیر کا

"لا فتیٰ الّا علی، لا سیف الّا ذوالفقار"
اس جوان و تیغ سا یعنی نہیں ہے دوسرا

کیا سبک الفاظ میں واقع ہوا تیرا کلام
اے بیاں! کچھ خیر ہے؟ کرتا ہے یہ کس کی ثنا؟

شاہِ مرداں، شاہِ یزداں، مرشدِ پیر و جواں
صرف اس کو تو جواں بولے، اسے کہتے ہیں کیا؟

بس سلیقے کو ترے دیکھا، یہ سن اور اس کی مدح
شان میں جس شخص کے نازل ہوئی ہے "ہل اتیٰ"

مانگ لے جو مانگنا ہے اس جنابِ پاک سے
اس درِ دولت سے پھرتا ہی نہیں خالی گدا

یا امیر المومنین! اک عرض اس عاصی کی ہے — جس کو اپنا ورد یہ کرتا ہے اب صبح و مسا

صدق دل سے جو کوئی ہو اس گھرانے کا غلام
وہ کسو در پر کبھو لے کر نہ جاوے التجا

---

## قصیدہ در مدح

سال گرہ جناب والی ملک نائب خلیفۃ الرحمٰن، بندۂ خاص حضرت یزداں یعنی رکن السلطنت بادشاہ سلیمان اقتدا مظہر الملک ارسطوئے زماں یار وفادار آصف جاہ نظام الملک نظام الدولہ میر نظام علی خاں بہادر فتح جنگ سپہ سالار رستمِ دوراں

زہے فتوح کی کھولیں دلوں سے یار گرہ — موافقت کی ہم دیں بہ اختیار گرہ

گرہ تو اور بھی دنیا میں ہیں کئی محکم — عجیب ہے دل کے تعلق کی پائیدار گرہ

ہے اتفاق جہاں میں عروج کا باعث — فلک کو پہنچے ہے باندھے اگر غبار گرہ

عقود کتنے مواقع ہوئے ہیں جو واقع — رکھیں ہیں ان میں کئی ایک اعتبار گرہ

چنانچہ قطرۂ نیساں محیطِ اعظم سے — صدف کے بطن میں ہو درِ شاہوار گرہ

دویم یہ عقدہ کہ تابش سے مہرِ تاباں کی — جگر میں سنگ کے ہو لعلِ آبدار گرہ

اسی روش کہ چمن میں ثمر کی ہو امید — شگوفہ جھاڑ کے دیوے درخت بار گرہ

جہاں تلک کہ گرہ خوشنما جہاں میں ہیں — تمام ڈھونڈھ کے کیجے اگر شمار گرہ

تو ان کی خوبی کو نسبت کچھ اس گرہ سے نہیں — کہ آج رشتے میں دیتے ہیں یادگار گرہ

یہ وہ گرہ ہے کہ جس وقت اس کو دیتے ہیں — کھلیں ہیں خلق کے کاموں سے صد ہزار گرہ

صبا نے جان کے شادی کا روز غنچوں کے — دلوں سے کھول دی جا سوئے لالہ زار گرہ

جہاں میں گر کسی عاشق سے خوب رویوں کی — کجی سے رکھتی تھی کچھ زلفِ تابدار گرہ

تو آج آئنے بھی منہ کو اپنے دیکھیں ہیں
کریں ہیں شانے نے آروں کی تار تار گرہ

تمام سال میں اس دن کے یاد رکھنے کو
رکھے ہے بند میں ہر شخص چار چار گرہ

خدا قیام قیامت تلک رکھے اس کو
یہ کس کے نام سے رکھتی ہے افتخار گرہ

نظامِ ملک، سلیماں شکوہ، آصف جاہ
وہ جس سے اپنی کھلاتے ہیں نابدار گرہ

دیے ہیں اس کو خدا نے یہ ناخنِ تدبیر
امورِ ملک میں الجھیں اگر ہزار گرہ

تو اس طرح سے وہ کھولے کہ ظلمتِ شب کی
کرے ہے پنجۂ خور جیسے تار تار گرہ

مشیر اپنے مقرر کیے ہیں وے دانا
ارسطوان سے کھلاتے کرے نہ عار گرہ

وہ عقلِ تیز سے عقدے کچھ اس طرح کھولیں
کہ جیسے کفر کی کھولے ہے ذوالفقار گرہ

کھڑے ہیں مستعد ایسے حضور میں فدوی
کمر سے باندھ کے دامن کی استوار گرہ

کہ ایک گرز کے صدمے سے اپنے وقتِ غضب
فلک کی چاہیں تو کھولیں حباب وار گرہ

بہادر ایسے قوی دست بستہ حاضر ہیں
کہ ٹھوکران کی سے دیں کھول کوہسار گرہ

عدو پہاڑ کی ٹکر اگر سپر رو کے
کریں وہ نیزے کی چھاتی سے وار پار گرہ

جو توپ خانہ جینے کی ہو کچھو شلک
عجب نہیں ہے کہ سب کھول دیں حصار گرہ

سبک ہے فیل سواری کو جیسے ابر سیاہ
کہ اس کی باد سے ہوتی ہے تار تار گرہ

کہوں جو کوہ تو ڈرتا ہوں کس قدر ہے ثقیل
نہ ڈالے خاطرِ احباب میں یہ بار گرہ

عماری زرد کسی دیکھ یہ کھلا مجھ کو
کہ دن کی رات سے کردی ہے استوار گرہ

جو فیل اور مقابل ہو اس کے روزِ وغا
دھوئیں کی طرح سے کھل جائے ایک بار گرہ

جو وصف اسپ کروں تو ہزار با ایسے
کہ دل کی کھلتی ہے ہوتے ہی اس سوار گرہ

زمیں کے دورے کو وہ اس طرح کھنڈال ڈالیں
کہ آسیا سے ہو دانے کی انفطار گرہ

بندھا ہے دل میں خیال اک طرح کا اس کی
ہوئی ہے کوزے میں اک بحر بے کنار گرہ

کروں میں وصف میں ہمت کی خوب ریزی
کرے زبان سے میری اگر فرار گرہ

ہوئے ہیں کیا کہوں یاقوت کس قدر خیرات
ہر اک گدا کی ہے جوں دانۂ انار گرہ

یہیں کے ابرِ کرم سے لیا ہے دریا نے
صدف نے باندھا ہے جو در شاہوار گرہ

اسی جناب کے صدقے سے گلشنوں میں تمام
یہ زر کی باندھی ہیں غنچوں نے بے شمار گرہ

ہر ایک آن یہ انعام سے ہے یاں سرِ کار
نہیں یہ دیر کہ دیویں خریطہ دار گرہ

کھلا ہی رکھتے ہیں تھیلی کے منہ کو اس ڈر سے
کہ حکم پہنچے تو دیوے نہ انتظار گرہ

عدالت اس کی سے ہے بر و بحر میں یہ ربط
کھلاوے شیر کے ناخن سے سوسمار گرہ

کہوں جو مدح کے لائق بیاں مرا کیا منہ
زبان دل سے مگر کھولے کردگار گرہ

بجز دعا کوئی مضمون اور کیا باندھے
اسی طرح سے ہوں یارب ہزار بار گرہ

ہزار روز کا ہفتہ، ہزار ہفتے کا ماہ
ہزار ماہ کا سال، اس طرح ہزار گرہ

اگرچہ خوب کیا ہے کسی نے یہ منظوم
میں اپنی نظم میں دی جس کی مستعار گرہ

ولیک اس میں بھی ہوتا ہے منحصر تعداد
میں چاہتا ہوں کہ ہوں اتنے بے شمار گرہ

کہ کوئی چاہے تو اس کا حساب ہو نہ سکے
اگر گنا کرے کیا لیل و کیا نہار گرہ

الٰہی اس گہرِ پاک سے قیامت تک
نہ خالی پاوے کبھو اپنی روزگار گرہ

جو خیر خواہ ہیں ان کے امور سے جوں گل
کھلا کرے بہ حقِ شاہِ ذوالفقار گرہ

مخالفوں کی بجز آتشِ جحیم کبھو
کھلے نہ کام سے ہرگز سپند وار گرہ

---

# قصیدہ درمدح

## نواب اعظم الامرا شیر الملک معین الدولہ غلام سید خاں بہادر سہراب جنگ دام اقبالہ و دولتہ

اگر ہزار برس تک بیاں کروں تقریر
تو ہو سکے نہ ادا مجھ سے شکرِ حیِّ قدیر

عجب ہے دولتِ جاوید حق نے کی روزی
ہزار مرتبہ کہیے جسے بہ از اکسیر

ہمیشہ دل میں مرے یہ خیال رہتا تھا
کہ کھینچے پھرتی ہے کیوں ہر طرف مجھے تقدیر

مرے تو دل میں تلاشِ معاش اتنی نہیں
کہ جس کے واسطے اتنا فلک کرے تشہیر

نہ چاہوں اس سے کبھو میں عروج منصب کا
نہ حرص زر کی رکھوں ہوں، نہ خواہشِ جاگیر

جسے ہو کنجِ قناعت میں خشک ناں کافی
خرید کرنے نہ جاویں کہیں پیاز و پنیر

ملا ہو لطف جسے بوریا نشینی کا
وہ ریشم سمجھے ہے قالیں کو اک بچھا کے حصیر

اگر تلاش تھی دل میں تو شخص کامل کی
وہ خواہ امیر بظاہر ہو، خواہ ہووے فقیر

خدا نے حضرتِ انساں کو یہ دیا ہے شرف
زمیں کے فرش پہ بیٹھے ہوئے ہیں عرش مسیر

غرض کہ بس اسی صورت میں ہیں وہ معنیِ خاص
کہ ذہنِ عام سمجھتے کرے ہے جس کو دبیر

وہ ذاتِ پاک کہ تشبیہ سے منزّہ ہے
اگر بفرضِ محال اس کی کھینچیے تصویر

تو لائق اس کے یہ انسان ہی کا نقشا ہے
نہ ہو اس آیتِ مطلق کی اور کچھ تفسیر

تو ایسی دولتِ جاوید یاں دکن میں ملی
کہ ایک شخص کو پایا ہے بے عدیل و نظیر

امید یوں ہے کہ اس کیمیا کی خدمت سے
ہماری بھی مسِ ناقص کو ہووے کچھ تغیر

اگرچہ شرط نصیبہ ہے اور استعداد
ولیک صحبتِ کامل کو چاہیے تاثیر

بجا ہے، مدح سے اس کی اگر ہزار جگہ
اس ایک شعر کو سودا کے میں کروں تحریر

غرض نہ خلق ہو دنیا میں آدمی ایسا
کریں جو خاک کو آدم کی لاکھ بار خمیر

نسب تو پہنچے ہے نوشیروانِ عادل کو
حسب میں آصف جمجاہ کا ہے آج وزیر

معین دولتِ دنیا و دیں، مشیر الملک
کہ جس سے تربیت آگہ ہوں کیا جواں کیا پیر

بزرجمہر ہو جس خاندان کا نوکر
سوا اس کی پوچھیے کیا عقل و دانش و تدبیر

ہوا ہے خانۂ تیمور جب سے آباداں
جہاں تلک ہوئے ہندوستان میں شاہ و وزیر

بالاتفاق سبھی باخبر یہ کہتے ہیں
درستِ عقلی میں ممتاز تر ہے عالم گیر

سو ان نے کتنی مشقت کے بعد آکر آپ
کیا ہے ایک ستارہ زمین کا تسخیر

خدا نے دی ہے اسے اس قدر سلامتِ عقل
موافق اتنی ہے تقدیر ساتھ واں تدبیر

کہ جس جگہ یہ وہ چاہیں وہیں رہے قائم
فلک پہ آپ مسخر ہو ماہ مہرِ منیر

زبس کہ دوستیِ اہلِ بیت ہے اس کو
دلائے شاہِ ولایت سے یہ ہوئی تاثیر

کہ جیسے اہلِ خوارج کو بغض واں لازم
عناد رکھتے ہیں یاں بھی ہزار ہا بے پیر

جہاں ملک کہ ہیں آقا پرست اس گھر میں — انھوں کو آیۂ رحمت ہے یہ امیر کبیر
کماں کی طرح اگر کج ہو کوئی حلقہ بگوش — تو اس کو کھینچ کے قبضے سو دے ہے ناک میں تیر
زبس کہ نظم و نسق میں ہے رات دن مصروف — نہیں ہے کام میں آقا کے ایک دم تقصیر
اور اس پہ طاعتِ حق بھی فروگذاشت نہیں — کسی نماز کی فوت آج تک نہیں تکبیر
تمام قدرتِ خالق کا یاں ہوا ہے ظہور — عجب ہی ذات ہے مستجمعِ صفات کبیر
کچھ اس کی مدح کے لایق تو ہو سکے نہ بیاں — بس ایک شعر دعائیہ میں کروں تحریر

خدا ہمیشہ رکھے مسندِ امارت پر
بحقِ شاہِ ولایت امیرِ کل امیر

---

## مطلعِ دعائیہ جنابِ خداوندِ نعمت مدظلہ العالی

زباں پہ خلق کی جب تک خدا کا نام رہے
ہمیشہ ملک میں نام خدا نظام رہے

# در مدح

## بندگانِ عالی نواب نظام الملک میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ دام اقبالہٗ

جوں نبوت جنابِ اقدس پر — ختم دنیا کی یاں ہے سرداری
ہوتے گر آج قیصر و خاقان — کرتے آنکھوں سے کفش برداری
ہے سلیماں شکوہ آصف جاہ — تس پہ اک مور کی خبرداری
جو کہ مفلس حضور میں پہنچے — پھر وہ مشہور ہے بہ زرداری

کہیں اب تک سُنا نہ دیکھا ہے — نہ یہ دل ہی نہ یہ جگر داری

آں کریمے کہ از خزانۂ خود — ق گبر و ترسا وظیفہ خور داری

قدو یاں را کجا کنی محروم

تو کہ با دشمناں نظر داری

## در مدح بندگان خداوند عالم پناہ نواب نظام الملک میر نظام علی خاں بہادر آصف جاہ دام اقبالہٗ

عجب بندہ کیا پیدا ہیں اس اللہ کے صدقے — سلیماں وقت کا کہیے اس آصف جاہ کے صدقے

اگر انصاف ہو عالم میں اور ہو چشم بینا بھی — تو سارا شہر ہو آکر ہمارے ماہ کے صدقے

کیا خالق نے مسجودِ خلایق آستانہ یہ — ملک ہو آسماں سے آکر اس درگاہ کے صدقے

تری دولت ہمیں شاہی ہے اب ملکِ فراغت میں — ہزاروں جاں سے ہم ہوں اپنے شاہنشاہ کے صدقے

بیاں میں تو دہی ننگا ہوں پر اس کی عنایت سے

عجب کیا ہے کہ ہووے کہربا اس کاہ کے صدقے

---

# مثنوی زوال آبرو در روئے سخن بمیر سجاد

مے کہاں اے ساقیِ فرخندہ خو — مے پرستوں کی ہے تجھ سے آبرو

ٹک خدا کے واسطے نزدیک آ — آتشِ دوری سے مت جی کو جلا

دے مجھے جام مئے عشرت شتاب — تا نہ ہوں واں میر صاحب لاجواب

یوں سنا ہے ان دنوں میں ایک جا — ذکر آیا تھا مرے اشعار کا

وہ جو ہے گی ڈیڑھ جز کی کلیات — جمع ہیں جس میں مرے اکثر نکات

کفر ہے کہنا اسے قرآن ہے — مختصر وہ جو مرا دیوان ہے

اتفاقاً تھا کسی کے ہاتھ میں — لے کر اس کے ہاتھ سے اک شخص میں

نام سے اس کے نہیں مجھ کو خبر — کام ہی کیا ہے کوئی ہوگا بچر

اس نے ہنس ہنس جب کیا پڑھنا شروع — ہو گئے حضار مجلس کے رجوع

تھا حقارت سے اسے پڑھنا ضرور — تا نہ ہو اپنی فضیلت کا ظہور

میں ہوں مداحِ امیر المومنین — اس میں مدحِ مرتضیٰ نکلی کہیں

ہو گیا وہ منقبت کو دیکھ آگ — لگ گئی اس کے تئیں مجھ ساتھ لاگ

خورده گیری وہ مری کرنے لگا — نام میرے شعر پر دھرنے لگا

سہو و نسیاں سے بشر خالی نہیں — کب کہا میں نے ملک اپنے تئیں

لاکھ جا میں نے کہا ہوگا غلط — لیکن اس جا میں ذری سمجھا غلط

شعر میں میرے لکھا تھا ایک جا — ہے خطِ فرضی سما پر استوا

جوں ہی یہ اس کے تئیں آیا نظر — دو نہیں یہ کہنے لگا وہ بے خبر

ہے سما پر استوا، یارو! کہاں؟ — یہ تو ہے فرقِ زمین و آسماں

واں بھلے کو میر سجاد آ گئے  بات کو اس ناسمجھ کی پا گئے
مجھ سے ہرگز آشنائی بھی نہ تھی  پر دلوں سے کچھ جدائی بھی نہ تھی
کیا کروں ان کی بزرگی کا بیاں  شکرِ احساں سے مجھے فرصت کہاں
غائبانہ بندگی پیدا ہوئی  بندگی تا زندگی پیدا ہوئی
میں سنا ہے یوں کہا سجّاد نے  قبلۂ شعرا و شہر استاد نے
اس حقیقت کو سن، اے نکتہ چیں!  یا تو اس کا شعر تو سمجھا نہیں
یا کہیں کاتب نے لکھا ہے غلط  ہاتھ کا ہرگز نہ ہوگا اس کے خط
گر غلط بالفرض بولا ہے بیاں  تو بھی کر دے گا تری خاطر نشاں
ڈھونڈ کر وہ اس کی لا دے گا سند  گر اسے کرنی ہے تیری بات رد
اے صبا! ٹک جا تو سجّاد تک  یہ سند پہنچا تو سجّاد تک
شعر کہتے ہیں جہاں تک نیک و بد  بات خاقانی کی ہے ان کو سند
غور کر اس کے قصائد دیکھ لو  مصرعِ اوّل میں جس مطلعے کے ہو
لفظ بوے سر بمہر آمد بما  اس میں وہ بولا ہے خطِّ استوا[1]
اس سے کہیے ڈھونڈ لے اے مہرباں  آسماں پر یا زمیں پر ہے کہاں
گر نہ سمجھے شعر خاقانی کے تئیں  میر صاحب بولیو ہرگز نہیں
آپ کی پاپوش ہووے ہم کلام  چھیڑیے ہنس ہنس کے اس کو صبح و شام
چھیڑنا تو کیا سکھاؤں میں تمھیں  دو کھنا تو کیا بتاؤں میں تمھیں
فضلِ حق سے اس میں بھی استاد ہو  قہر ہو، طوفان ہو، بیداد ہو
سخت گستاخانہ میں بولوں ہوں اب  کر دیا تیرے کرم نے بے ادب
ورنہ ہے یہ تاب یہ طاقت مجھے!  یہ سبک الفاظ میں بولوں تجھے!
بے محبت تو اگر بولے بیاں  تو معاذ اللہ جل جاوے زباں

---

[1] از سرِ زلفِ تو بوے سر بمہر آمد بما  جاں بہ استقبال شد کاے پیک جاناں تا کجا
تیر چوں در زہ نشاندی بر کمان چرخ وش  گوئیا محور ہمی راندی ز خطّ استوا

مشفق من ! واجب التوقیر من !
یہ جہل کی کچھ رکھیو اے میرزمن

پہلے اس کو کچھ زمیں پسوائیو
پھر اسے ٹک آسماں دکھلائیو

چھیڑنے سے جب وہ ہو جاوے خفا
شعر کے معنی تو دیجئے گا بتا

لیکن اتنی عرض میری مانیو
گر مناسب وقت کے تم جانیو

اپنے ہاتھوں ہونٹ اس کے لیجیو
اور اتنا کان میں کہہ دیجیو

پھر کسی کے شعر کو مت دوکھیو
سقم اس میں گو کہ ہو مت دوکھیو

شاعروں سے بحث کرنا خوب نئیں
کہتے ہیں شاگرد رحماں ان کے تئیں

خواہ نخوت ان میں ہو خواہے غرور
ہے غرض ان کا ادب کرنا ضرور

بندہ پرور! اس کو باور کیجیے
یہ نہیں کہتا ہوں میں اپنے لیے

بندہ موزونوں میں بھی اب تک نہیں
جانیے گا اس کو اے مشفق یقیں

اس قدر بکتا ہے یہ اس واسطے
آپ کو معلوم ہے کس واسطے

تا ڈریں سب شاعروں سے خوردہ گیر
آپ سا ان کو نہ سمجھیں یہ حقیر

پھر کہیں ساقی شتابی سے ایاغ
بیت بحثی کا نہیں مجھ کو دماغ

مت کہیں جھنجھلا کے اے پیر مغاں
ہزل سے آلودہ ہو میری زباں

## داستان دوم

کیجیے پیغام بر ایسے کے تئیں
کچھ ملا دے بیچ میں اپنی نہیں

کہیے جتنی اتنی ہی جا کر کہے
بات واں کی صاف یاں آ کر کہے

بیچ والے کچھ کی کچھ کہتے ہیں جا
دو کو یہ دیتے ہیں آپس میں بھڑا

ان دراندازوں سے لازم ہے حذر
بھاگتے ہیں بس میں چنگی ڈال کر

آج ہی اے کاش ہو روز جزا
فتنہ انگیز اے خدایا دیں سزا

یا کہیں معدوم ہو ویں یہ تمام
یا نہیں موقوف ہو رسم پیام

بھیجے کس شخص کو سجاد پاس
قبلۂ شعرا ور شہر استاد پاس

تو ہی کچھ مدد، اے صبا پیغام بر ۔۔۔ بعد عرضِ بندگی یہ عرض کر

صاحبِ من مجھ کو یہ معلوم نئیں ۔۔۔ صاف ٹک لکھ بھیجے اس کے تئیں

کون ہے جن نے کیا ہے اعتراض ۔۔۔ ہاتھ میں آئی تھی کس کے وہ بیاض

ہے اگر ایسا ہی کوئی سہل سا ۔۔۔ میں نے نادانی میں جیسا لکھ دیا

تو تو چنداں عذر میں کرتا نہیں ۔۔۔ جانتا مجرم نہیں اپنے تئیں

بلکہ لاتا ہوں سند پر میں سند ۔۔۔ ہر طرح کرتا ہوں اس کی بات رد

شعرِ فیضی یاد اب مجھ کو نہیں ۔۔۔ نل دمن میں لیک دیکھا ہے کہیں

ترجمہ ہوتا ہے اس کا اس قدر ۔۔۔ جوں ہے خطِ استوا افلاک پر[1]

اور کبھی پہنچی سند یہ دوسری ۔۔۔ بولتا ہے یوں رضی مشہدی

ہے مساوی آسماں کے روز و شب ۔۔۔ استوا کے خط سے جب دیکھا و جب[2]

پر کہاں فہمید اس کی اس قدر ۔۔۔ نہ فلک کو بھی نہیں اس کی خبر

شعرِ خاقانی سے کیا حاصل ہوا ۔۔۔ ہے رضی کی بیت کا کیا مدعا

میرزا صائب نہ آوے جب تلک ۔۔۔ کوئی اس کے دل سے جاتا ہے یہ شک

ہو کہیں پیدا جب ایسا صاف گو ۔۔۔ میر صاحب! تب تسلی اس کی ہو

جانتے ہیں کہہ سے یے کرتا بہ مہ ۔۔۔ ترجمہ ہے شعر کا صائب کے یہ

رہبرِ پیراں نہیں ہے گر عصا ۔۔۔ کیوں ہے گردوں پاس خطِ استوا[3]

اس سند سے بھی اگر قایل نہ ہو ۔۔۔ پیر نابالغ ہے تب اتنا کہو

"کیا نہیں تو نے پڑھی اب تک نصاب ۔۔۔ وہ تو ہے لڑکوں کے پڑھنے کی کتاب

جا کسی مکتب میں اس لڑکے کے پاس ۔۔۔ دودھ کی آتی ہو جس کے منہ سے باس

اس سے اتنا کہہ کہ خطِ استوا ۔۔۔ کس کے تئیں کہتے ہیں تو مجھ کو بتا"

---

[1] (فیضی) ہم چوں خط استوا بر افلاک

[2] مساوات است ظلم و عدل پیش چرخ دوں پرور ۔۔۔ ز خطِ استوا روز و شب او را وجب کردم

[3] عصا رہبر نہ باشد گر نہ پیراں را دریں وادی ۔۔۔ چرا گردوں بہ دستِ خویش خطِ استوا دارد

وہیں بولے گا کہ محرر کے تئیں     بے نصاب اس میں لکھا ہیگا کہیں

ایک خاقانی غلط کہتا اگر     کھینچ دیتا شعر پر میں اپنے خط

شیخ ابونصر ورقتی وصاتیا     چرخ پر بولے ہیں خط استوا

وے اگر ناداں ہیں تو میں بھی سہی     کیوں بھلا یہ بات تو اچھی کہی

عقل سیں معلوم یہ مجھ کو ہوا     تو دروغ اس کو نہ کیجو اے خدا

وہ ملا ہیگا منجم سے کہیں     شعر پر اتنا عبور اس کو نہیں

اہل ہیئت سے لیے ہیں کچھ سبق     پاس رکھتا ہے سند کئی اک ورق

پر نہیں اس فن میں بھی اس کو کمال     ہے غرض اس گفتگو سے یہ مآل

بزم شعرا میں اسے کہیے نہ کئے     اہل ہیئت پاس اب دفتر میں جائے

جب منجم اس کے ہووے روبرو     تب تو کہلاوے وہ شاعر آپ کو

جب کہیں شاعر کے ہو جاوے دوچار     تب لگے گننے ستاروں کا شمار

گر سلامت رو ہے تو اس چال کو     وہ اخذ کر لے کہ جو خفت نہ ہو

گر خدا ناخواستہ وہ نکتہ چیں     آشناؤں میں ہے بیگانہ نہیں

تو تمھارے منہ سے شرمندہ ہوں میں     میر صاحب! آپ کا بندہ ہوں میں

آپ کا خادم مرا مخدوم ہے     اب تلک مجھ کو نہیں معلوم ہے

کون ہے؟ کیسا ہے؟ کیا رکھتا ہے نام؟     پختہ مغزوں سے ہے یا مجھ سا ہے خام

ہے اگر وہ شخص تم سا باخبر     مو سے تو گردن مری باریک تر

حق کو باطل سے جدا کر دیجیے     ہونٹ میرے اس کے بدلے سیجیے

آنت نئیں شیطان کی، یہ داستاں     اب دعا پر ختم کر اس کو بیاں

یہ طناب ارض ہے جتنی رسا     جس قدر ہے طول خط استوا

ہو زیادہ اس سے بھی اے بے نیاز<br>عمر کا سجاد کی رشتہ دراز

# چیپک نامہ

آہ واویلا ز دستِ روزگار
قوش خانوں میں ہے یہ غم روبکار

سر سے ہر اک باز نے پٹکی کلاہ
رخت ہر شاہین نے پہنا سیاہ

ہو گئے جرّوں کے دل غم سے دو نیم
باشہ و باشین و شنکرے بھی دو نیم

کیا ترمتی، کیا کہی، کیا بے سرا
یک بیک ان سے زمانہ یوں پھرا

صید اگر چاہیں کریں پدڑی کے تئیں
پنجوں میں اتنی بھی گیرائی نہیں

دیکھ کر دیتے ہیں، یوں ٹڈوں کے خیل
تیتری کے ساتھ اب گاتھیں ہیں ویل

پشّہ کے آگے ترمتا ہے ضعیف
بھنگے کی نظروں میں دھوتی ہے خفیف

آہ کچھ مت پوچھو اب اس کا سبب
کیا کہوں یارو! میں تم سے ہے غضب

میرزا فیفو کی چیپک مر گئی
قوش خانے جگ کے ویراں کر گئی

کس قدر ہے آسماں بے امتیاز
آہ کیا مارا ہے ان نے شاہ باز

وضعِ دوراں سخت ناانصاف ہے
دیکھیو یارو! یہ کیا انصاف ہے

میرزا غمگیں ہوں چڑیاں شاد ہوں
گھونسلے چہیوں کے یوں آباد ہوں

ہائے کیا تلیر کے گھر شادی ہے آج
پیکِ خوغائی کے یاں آیا ہے راج

کبک کیا کیا مارتے ہیں قہقہے
کیسے دھیر کر رہے ہیں چہچہے

حیف طعمہ ڈال کر دہ یوں مرے
اور ہر اک جانور خوشیاں کرے

کانپتے تھے خوف سے اس کے بٹیر
جب سے سبزک پر کیا تھا اس کو سیر

ڈرے بگلے نیند بھر سوتے نہ تھے
کوئی غافل موت سے ہوتے نہ تھے

کیا کبوتر کیا ٹھٹری اور کیا بزے
ٹونٹرد تیتر لوے اور ابلقے

بغلی اس کے خوف سے کرتے نہ مُتے
قاز چگ سکتے نہ تھے جنگل کے کھیت
دغدغوں کا کیا کلنگوں کے ہے ذکر
جانور آبی کی جب پڑنے خیال
ایک دن مرزا گئے کرنے کو سیر
بھوک سے جھنجلا کے وہ غصّے میں آ
اب پڑی ہے گھوڑے اوپر لنڈ منڈ
ہائے وہ مرزا کہ جس کا سن کے نام
سو کیا اس کو فلک نے یوں ذلیل
کوؤں کی ٹھونگیں ہیں اور مرزا کا سر
لے نکلتے میرزا اس کو جدھر
گھر کی بی بی سے یہ کرجاتے قرار
اب دو پیازے قورمہ کھاتے ہیں سب
تھی چڑی ماروں پہ مرزا جی کی کر
ہائے جس دن سے وہ پارو مر گئی
بلکہ وہ کہتے ہیں خاص و عام میں
لیں گے پیسے سابق اور اب حال کے
جب نکلتے میرزا بازار کو
دیکھ کر ان کے تئیں بنیے تمام
ان سے یہ کہتے اگر منظور دھرم
مت چھڑاؤ چِتکیوں کے جانور
بیچ دو جلدی نہ ہو ایسا کہیں
اس سخن کو جس گھڑی سنتے تھے وہ

سر کو پنکھوں کے تلے دھرتے نہ تھے
قرقرے چگتے کبھو لیکن سو جیت
زندگی کا اپنی تھا سارس کو فکر
کھینچ ڈالی تھی تو اصل کی بھی کھال
ہو گئی اس میں تنک طعمے کو دیر
لے چلے مرزا ہی کو نیچے لگا
گرد چگتے پھرتے ہیں چڑیوں کے جھنڈ
آب ہو سیمرغ کا زہرہ تمام
مرتے ہی چیک کے یہ بگڑا ہے نیل
شارد اڑ جاتی ہے منہ پر یاد کر
چوڑے پر، لونڈی سے کہتے، باندھی دھر
ہم نہیں کھانے کے جز غیر از شکار
میرزا بوٹی کو ترسیں، ہے غضب
نصف ان کے جتنے پکڑیں جانور
سب چڑی ماروں کے سر سے کر گئی
میرزا آئے ہمارے دام میں
ورنہ پھنسوا دیں گے جا کتوال کے
تیز کرتے وال چھری کی دھار کو
بند کر آنکھوں کو کہتے "رام رام"
ہے تمہیں اور دھرم کی ہے اپنے شرم
جتنے ہوں پیسے انھوں کے جمع کر
کھولوں میں پتواس سے چیک کے تئیں
وہ وہیں کہتے تھے کہ جو چاہو سو لو

یہ تو بنیے کیا ہیں کئی اک روز میں
راجپوتانے سے آئیں رشوتیں

جب سے مرنا ہو گیا اس کا یقیں
ایک خرمہرہ کوئی دیتا نہیں

اب کسو سے بھی نہیں ان کو یہ چشم
دیوے ان کو کوئی اپنی بائیں پشم

گھر ہوا مرزا کا اب ماتم سرا
پرسے کو آتے ہیں یار و آشنا

کر گریباں چاک یہ ان کے حضور
بین یوں کرتے ہیں منہ اپنا لبور

بائے تھی چپک جو وہ تو آپ تھی
اپنی تو یارو! وہ مائی باپ تھی

کھولتا جب اس کے تئیں ہتواڑ سے
ہاتھ پر آتی تھی وہ اس ناز سے

برگ گل جس طرح جھڑ کر باؤ سے
پنکھ پر بلبل کے آوے چاؤ سے

پھینکتا جب صید پر اس کو میں جا
اس طرح جا لاگتی کافر ادا

جس طرح عشاق کی آہِ سحر
دل میں معشوقوں کے ہووے کارگر

پر غلط یہ تو کہا میں نے یہاں
آہ عاشق میں اثر ایسا کہاں

جس طرح معشوق کی بعضے نگاہ
خون عاشق کا کرے ہے بے گناہ

کیا کہوں ایسی غرض اڑتی تھی قہر
پڑ گئی تھی دھوم اس کی شہر شہر

پودنے نے یاں کے بنگالے میں جا
ایک مینا سے کہا یہ ماجرا

سنتے ہی اس پودنے کی بات کے
اڑ گئے مینا کے طوطے ہات کے

مجھ کو بچپن سے رہا ذوق شکار
پالا میں برغد سے لے تا چڑے مار

خوب سا ان کا کیا ہے میں نے دید
ریش پنجالوں میں کی ان کی سفید

پر نہیں دیکھا میں ایسا جانور
ہووے چپک اور اڑے وہ قاز پر

سب طرح کے جانور ڈالے تھے چیر
گر پرندا اس سے بچا سو ہے وہ تیر

کیا کہوں چپک تھی یا باشین تھی
باز کی بچی تھی یا شاہین تھی

سنتے ہیں یہ ورد جب وے آشنا
ان سے کہتے ہیں کہ سچ اے میرزا

واقعی یہ غم تو ہیگا ناگوار
پر خداوندی سے ہے کیا اختیار

غم میں اس کے میرزا اتنا نہ رو
مت کہیں ایذا ہو مرغِ روح کو

گو پھنسا تھا دام میں آ کر ہما　　　اوج پر تیرے نصیبوں میں نہ تھا

غم سے اپنے دل کو تو موقوف کر

جوں بیاں کرتا ہے قصہ مختصر

---

# تعریف چاہ مومن

رہ کے دنیا میں کیجیے کچھ فکر　　　بعد کوئی کرے یہ خوبی ذکر

یہ لباسِ حیات فانی ہے　　　نقش بر آب زندگانی ہے

آگے کرتے تھے آدمی وے کام　　　جس کے باعث رہے ہمیشہ نام

کرتے تعمیر اہل مکنت و جاہ　　　پل و مہماں سرائے و مسجد و چاہ

اب نہ وے دن رہے نہ وے راتیں　　　رہ گئیں یادگار وے باتیں

وہ جو تھا کوئی شخص مومن خاں　　　غور اگر کیجیے تو اب ہے کہاں

لیک یہ کر گیا ہے ایسا کام　　　کہ سدا باجتا ہے اس کا نام

یہ کٹورے سے نکلے ہے آواز　　　کہ نکوئی کن و در آب انداز

ایک ایسا بنا گیا ہے کنوا　　　کہ کبھو روز حشر تک نہ ہوا

نہیں مرنے کا حشر تک وہ مرد　　　جس کا نکلا ہے چاہ ایسا سرد

ہفت اقلیم کے تمام کنوے　　　چپنی بھر پانی لے کے ڈوب موے

بھرے، آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں　　　شرم سے ڈبرے آب ہوتے ہیں

جتنے روئے زمیں پہ ہیں تالاب　　　ہو گیا ہے سبھوں کا زہرہ آب

کیا کنواں ہے کہ جس کی سن کے ثنا　　　چھپ کے آوے ہے دیکھنے دریا

اس میں پانی ہے یا کہ آب حیات　　　یا ہے وہ شربت گلاب و نبات

نام اس مخ سرشت کا کس بھانت　　　لوں کہ بجتا ہے میرے دانت کر دانت

ڈگڈگا کر اگر کوئی پیوے — تا نہ اوڑھے لحاف کیا جیوے

جب سے پیدا ہوا ہے وہ پانی — جس کی کرتا ہوں میں ثنا خوانی

یارو! اس دن سے برف بے چاری — گھلی جاتی ہے شرم کی ماری

شور شورے کا اٹھ گیا یکبار — ہو گیا سرد برف کا بازار

ٹھنڈی از بس ہوئی خریداری — سٹھرے جاتے ہیں ان کے بیوپاری

جتنے اس شہر میں ہیں شورہ فروش — کہتے ہیں دل ہی دل میں کھا کر جوش

فکر کیا اس متاع کا کیجے — آگ پانی کے ہاتھ سے دیجے

قلمی کیجے اسے کو دے کے گداز — تا خریدار ہووے آتش باز

برف والے جہاں تلک ہیں اب — گرد و پیش اس کنوئیں کے آ کر سب

کہتے ہیں "آہ چاہِ مومن خاں — گھر ہمارے کو کر دیا ویراں"

کیا سقوں کا خانماں برباد — تیرے ہاتھوں سے اے کنوئیں فریاد

لے کر اس آبِ جانفزا کا جام — پانی پی پی کے کوستے ہیں تمام

سچ ہے جس شہر میں ہو ایسا چاہ — شورے اور برف کی ہو واں کیا چاہ

جن نے اک بار بھی پیا وہ آب — حشر تک زیرِ خاک ہے سیراب

بس کہ بارد ہے وہ میں ڈرتا ہوں — نہ لگے بندھنے اب خنک مضموں

آگے سردی کا اس کے کرتے بیاں
اینٹھی جاتی ہے میرے منہ میں زباں

---